فون نمبر: 5863260 5862956 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532

Email: centralanjuman@yahoo.com قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 101 | 8 محرم تا 8 صفر 1436 ہجری یکم نومبر تا 30 نومبر 2014ء | شمارہ نمبر 22-21


## احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدّد صد چہاردہم)

# اصلاح کے تین طریق اور اصلاح کی اشد ضرورت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا

انسانی حالتوں کے سرچشمے تین ہیں۔ یعنی نفس امّارہ، نفس لوّامہ، نفسِ مطمئنہ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہیں۔ اوّل یہ کہ بے تمیز وحشیوں کو اس ادنیٰ خُلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور شادی وغیرہ تمدنی امور میں انسانیت کے طریقے پر چلیں۔ نہ ننگے پھریں اور نہ کُتوں کی طرح مُردار خور ہوں اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کریں۔ یہ طبعی حالتوں کی اصلاحوں میں سے ادنیٰ درجہ کی اصلاح ہے۔ یہ اس قسم کی ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھلانا ہو تو پہلے ادنیٰ اخلاق انسانیت اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے گی۔

دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کر لیوے تو اس کو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائیں اور انسانی قویٰ میں جو کچھ بھرا پڑا ہے ان سب کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کی تعلیم دی جائے۔

تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں۔ ایسے خشک زاہدوں کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے۔ یہ تین اصلاحیں ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں۔

اور ہمارے سیّد مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے تھے جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”خشکی و تری میں فساد ظاہر ہو گیا (الروم: ۴۱)“ یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے جو اہل کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں ملا وہ بھی بگڑ گئے۔ پس قرآن شریف کا کام دراصل مُردوں کو زندہ کرنا تھا جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

"جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا" (الحدید:۱۷) یعنی یہ بات جان لو کہ اب اللہ تعالیٰ نئے سرے زمین کو بعد اس کے مرنے کے زندہ کرنے لگا ہے۔ اس زمانہ میں عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا اور کوئی نظام انسانیت کا ان میں باقی نہیں رہا تھا اور تمام معاصی ان کی نظر میں فخر کی جگہ تھے۔ ایک ایک شخص صدہا بیویاں کر لیتا تھا۔ حرام کا کھانا ان کے نزدیک ایک شکار تھا۔ ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حلال سمجھتے تھے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا کہ: **"تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں"** **(النساء:۲۳)** یعنی آج مائیں تمہاری تم پر حرام ہوگئیں۔ ایسا ہی وہ مُردار کھاتے تھے۔ آدم خور بھی تھے۔ دُنیا کا کوئی بھی گناہ نہیں جو نہیں کرتے تھے۔ اکثر معاد کے منکر تھے۔ بہت سے ان میں سے خدا کے وجود کے بھی قائل نہ تھے۔ لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتے تھے۔ یتیموں کو ہلاک کر کے اُن کا مال کھاتے تھے۔ بظاہر تو انسان تھے مگر عقلیں مسلوب تھیں، نہ حیا تھی نہ شرم تھی نہ غیرت تھی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تھے۔ جس کا زنا کاری میں اوّل نمبر ہوتا تھا وہی قوم کا رئیس کہلاتا تھا۔ بے علمی اس قدر تھی کہ اردگرد کی تمام قوموں نے ان کا نام اُمّی رکھ دیا تھا۔ ایسے وقت میں اور ایسی قوموں کی اصلاح کے لئے ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ میں ظہور فرما ہوئے۔ پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ان کا درحقیقت یہی زمانہ تھا پس اسی وجہ سے قرآن شریف دُنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اکمل اور اتم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقع نہیں ملا اور قرآن شریف کو ملا اور قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے بااخلاق انسان بناوے اور بااخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے۔

(کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی"، صفحہ نمبر ۱۶،۱۵)

اداریہ

# بابرکت اجتماع، سالانہ دعائیہ

گزشتہ ایک صدی سے جماعت احمدیہ لاہور کے لئے ماہ دسمبر سالانہ دعائیہ کامہینہ ہے۔ سالانہ دعائیہ عظیم الشان روحانی برکات کا حامل اجتماع ہے۔ یہ حقیقت ان لوگوں سے مخفی نہیں جو اس اجتماع میں دین کی خدمت اور سربلندی کی خواہش لئے دنیا کے طول وعرض سے شامل ہوئے یا جو اس جذبے کے تحت شامل ہوتے رہیں گے۔ کیوں کہ یہ کوئی عام انسانی اجتماع نہیں بلکہ خالص اللہ کے لئے اور اس کے دین کے فروغ، اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور دین کی سربلندی کی تدابیر حسنہ کرنے کی غرض سے منعقد ہونے والا اجتماع ہے جس کی بنیاد بھی کسی دنیوی لیڈر نے نہیں بلکہ اللہ رب العزت کے فرستادہ نے رکھی ہے اور اس موقع پر اسلام کا پیغام مغربی دنیا میں پہنچانے کے وسائل پیدا کرنے اور اسوۂ نبوی ﷺ کو رائج کرنے کی جو ہدایت فرمائی ہے وہ فی الحقیقت نشاۃ ثانیہ کا حقیقی ذریعہ ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

''سو یکسو ہو کر دین کی طرف اپنا رخ کر، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدائش کو کوئی بدل نہیں سکتا، یہ قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس کی طرف رجوع کرنے والے (رہو) اور اس کا تقویٰ کرو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو اور ان میں سے جنہوں نے دین کو ٹکرے ٹکرے کر دیا اور فرقے فرقے بن گئے، سب گروہ اس پر جو ان کے پاس ہے خوش ہو رہے ہیں''۔

دین کے فروغ کے لئے فرقہ واریت سے اعراض اور یکسوئی سب سے زیادہ اہم ہے، فروغ دین کا معرکہ اسی وقت سر ہو سکتا ہے جب انسان دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عملی مظاہرہ کرے۔ سالانہ دعائیہ میں شمولیت علمی وروحانی تربیت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ امام وقت نے اس اجتماع میں شمولیت کی غرض وغایت خود ہی ان الفاظ میں بتا دی ہے۔

**''تا ہر مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملے اور اُن کی معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو پھر اس ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات میں تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقاتِ اخوت استحکام پذیر ہوں گے''**

اس اجتماع کی اہمیت کا اندازہ امام وقت کے ان الفاظ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

**''اس جلسہ کو معمولی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے اس کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی کیوں کہ یہ اُس قادر خدا کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔''**

اس لئے تمام احباب جماعت کو زندگی کی مصروفیات میں سے وقت نکال کر سالانہ دعائیہ میں شرکت کو یقینی بنانا چاہیے کیوں کہ امام وقت نے نہ صرف اس اجتماع میں شرکت کی تاکید کی ہے بلکہ اس دعائیہ میں شامل ہونے والوں کے لئے بارگاہ ایزدی میں ان الفاظ دعا کی ہے

**''ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کرے خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم وغم دُور فرمائے اور ان کو ہر تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہ ان پر کھول دے اور روز آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ اٹھاوے جن پر اس کا فضل ورحم ہو۔۔۔''**

# خطبہ عید الفطر 2014ء

## فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

## بمقام جامع دارالسلام، لاہور

**’’اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔**

**ترجمہ: ’’سب تعریف اللہ کے لئے ہے (جو) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے (اور) فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے (جو) دو دو، تین تین، چار چار بازوؤں والے (ہیں)‘‘۔**

**(سورۃ فاطر ۳۵: آیت ۱)**

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں عبادات کے ذریعے اپنی اپنی طاقت کے مطابق روحانی فوائد حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے قرآن شریف جیسی عظیم کتاب کو اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اُتارا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کتاب قرآن کریم کی صورت میں مکمل حفاظت سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

### عید الفطر کی اہمیت

عید الفطر کا دن اللہ تعالیٰ سے یہ شکر ادا کرنے کا دن ہے کہ ہم نے اس کے ساتھ ایک خاص تعلق قائم کیا جس کی وجہ سے ہمیں روحانی فوائد حاصل ہوئے۔ حضرت رُومی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مسنوی میں ایک شخص کا ذکر کیا ہے جو سارے دن کی محنت کے عوض کچھ دانے لا کر ایک گٹھڑی میں رکھتا تھا تو رات کے وقت ایک چوہا اس گٹھڑی میں سوراخ کر کے سارے دانے کھا جاتا تھا۔ جب وہ صبح اٹھتا تو دیکھتا کہ اس کے پچھلے دن کی ساری محنت ضائع ہو چکی ہے۔ پھر اس نے گٹھڑی کو محفوظ مقام پر رکھنا شروع کیا تو اس کی محنت کا پھل محفوظ ہوتا گیا۔ اسی طرح ہم نے بھی ایک مشقت اور محنت کا وقت گذارا ہے۔ اس کے عوض جو ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب حاصل کئے ہیں وہ ہماری رُوح کی گٹھڑی میں ہیں، اب یہ ہم پہ ہے کہ ہم اُس گٹھڑی کو کیسے محفوظ رکھتے ہیں اور کس طرح اس کو شیطان کے حملہ سے ضائع ہونے سے بچاتے ہیں؟ اور نہ صرف اس زندگی بلکہ آخرت میں بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

### عید الفطر کا مقصد

یہ عید ’’عیدِ فطرانہ‘‘ بھی ہے۔ یہ فطرانہ اِس نماز سے پہلے ہم سب جمع کروا چکے ہیں۔ روزے کی بھوک اور پیاس کے ذریعے انسان کو کم وسائل والے لوگوں کی تکالیف سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ اور ہم اس کا احساس کرنے لگتے ہیں۔ روزہ رکھنے کا مقصد اسی احساس کو اجاگر کرنا ہے۔ یہ فطرانہ بھی اسی مقصد کے لئے ہے کہ کم وسائل والے لوگ بھی عید کی اس خوشی میں شامل ہوسکیں۔

**جو رُوح کے متعلقہ رمضان کی خوشیاں ہیں ان کا آغاز عید الفطر کی نماز سے شروع ہو چکا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے عید کے دن جو نمازیں رکھی ہیں ان میں تکبیریں بھی زیادہ ہیں۔ تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ’’اللہ اکبر‘‘ کہہ کر بار بار پکاریں۔ رسمی طور پر نہیں، بلکہ اُس کو سب سے بڑا اور اپنے آپ کو سب سے نیچا جان کر اور اپنے اندر سے اَنا نکال کر جو انسان اور اللہ کے درمیان سب سے خطرناک پردہ ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں۔ یہ ضروری ہے**

کہ نہ صرف عید کے دن بلکہ یہ ہمارا معمول بن جائے اور ہم اس کی بڑائی ہر جگہ اور ہر وقت بیان کرتے رہیں۔

## فرشتوں کے پروں یا بازوؤں کی تشریح

جو آیت کی میں نے تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ انسان کی فطرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس عید کو عید الفطر بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ہم اس مجاہدہ کی وجہ سے اپنی فطرت کی طرف لوٹ کر جا رہے ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ''سب تعریف اللہ کے لئے ہے (جو) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے (اور) فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے (جو) دو دو، تین تین، چار چار بازوؤں والے (ہیں)''۔

یہاں فرشتوں کی تعریف کی گئی ہے جن کے دو دو تین تین یا چار چار پر یا بازو ہیں۔ احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے 600 پر ہیں۔ لفظ ''پر'' سے ہمارے ذہنوں میں پرندوں کے جو پر آتے ہیں یہ وہ نہیں بلکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے جو طاقت عطا کی ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔

جب میں فرشتوں کے متعلق پڑھ رہا تھا تو سب سے زیادہ حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے متعلق بیان کیا ہے۔ حضرت مولانا نور الدین رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے درس میں فرمایا ہے کہ ''واللہ عالم ان پروں کا کیا مطلب ہے''۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کو آپ سب کے سامنے بیان کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مختلف کاموں پر مامور کیا ہے اور ہر کام کے مطابق اُن کو طاقت عطا کی ہے۔ جتنا بڑا کام اتنی ہی زیادہ طاقت۔ سب سے بڑا کام حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کرتے ہوئے اللہ نے اُن کو 600 پروں سے نوازا ہے۔ اور اُن کے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہے کہ خدا کے حکم سے انسانوں کو اپنی اصل فطرت، جو نیکی اور خدا کی تلاش ہے، اس کی طرف دوبارہ موڑ دیں اور انسانوں کے دلوں میں اللہ کی محبت ڈال دیں اور اُن کے دل تقویٰ میں بڑھائیں۔

ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ جوں جوں انسان کی روحانی طاقت بڑھتی جاتی ہے، اسی طرح فرشتوں کے نزول کی طاقت بڑھتی جاتی ہے۔ اگر شروع میں دو طاقت والے فرشتے مدد کر رہے تھے جیسے اس کی روحانی ترقی ہو گی تو تین والے پھر چار والے مدد کرتے جائیں گے۔

کچھ مفسرین نے ان ''پروں'' کو نماز کے ساتھ تشبیح دی ہے۔ کیوں کہ فطرت کو اپنی طرف موڑنے کے لئے نماز سب سے ضروری ہے۔ اگر ہم نماز کے فرض دیکھیں تو فجر میں دو رکعت ہیں اور مغرب میں تین رکعت ہیں اور ظہر، عصر و عشاء میں چار چار رکعت ہیں۔ اس لئے بعض مفسرین کے نزدیک نماز ہی وہ فرشتے ہیں جو انسان کو صحیح فطرت کی طرف لوٹاتے ہیں۔

خاص طور پر ماہ رمضان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری ہے کہ اس میں اپنے رب کے حکم سے ملائکہ اترتے ہیں۔ کوئی چیز اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتی لیکن فرشتے اور روح دلوں پر تب ہی نازل ہوتے ہیں جب ان کے داخلہ کے لئے دل کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا مددگار ہے، ہر ایک کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور ہر ایک کے لئے کتاب قرآن کریم نازل کر رکھی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے ہمیں ہدایت ملتی ہے۔

## فاطر کا مفہوم

فاطر اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے جس نے فطرتِ انسان کو بنایا ہے اور پھر اس کے اندر خدا کو ملنے کی تڑپ ڈالی اور پھر اس تڑپ کو پورا کرنے کے تمام سامان مہیا کیے۔ رمضان المبارک بھی انہی ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔

## عید الفطر کا روحانی نظریہ

عید کا مطلب خوشی ہے۔ خوشی اس بات کی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ موقع دیا کہ اس ماہ مقدس میں وہ عبادات کر لیں جو ہمیں کرنی چاہیں تھیں اور

اپنی طاقت کے مطابق نہ صرف کھانے پینے سے بلکہ ان تمام چیزوں سے جو اللہ نے منع کر رکھی ہیں، اپنے آپ کو پوری طاقت سے روکے رکھا۔ اور ہم اس بات پر بھی خوش ہیں کہ ہماری روحوں کو ایک راستہ ملا اور اُن کا رُخ اللہ کی طرف ہو گیا اور وہ اپنی فطرت کی طرف واپس جانے کے لئے نکل پڑیں۔

## فطرت کا مفہوم

فطرت کا مضمون سورۃ روم کی آیت نمبر 30 اور 31 میں کچھ یوں ہے۔

:ترجمہ: **"سو یکسو ہو کر دین کی طرف اپنا رُخ کر، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدائش کو کوئی بدل نہیں سکتا، یہ قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"**

**"اس کی طرف رجوع کرنے والے (رہو) اور اس کا تقویٰ کرو اور نماز کو قائم کرو اور مشرکوں سے نہ ہو"۔**

اللہ کی طرف رُخ کرنا یہ ہے کہ ہم ہر چیز اس کے حوالے کر دیں حتیٰ کہ **تمام نمازیں جو ہم پڑھیں، تمام عبادتیں جو ہم کریں، ہمارا جینا اور مرنا اللہ کے لئے ہو جائے اور ہم اپنے دل میں سے شرک کو نکال پھینکیں تو پھر ہم یکسو** ہو گئے۔ اسی سورۃ میں آتا ہے کہ: **"میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا اور مرنا رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں"**

فطرت اللہ نے بنائی اور اس پر قائم رہنے کا اسی نے کہا تو یہ ہماری لئے ایک قرآنی حکم ہے۔ پچھلے جمعہ "جمعتہ الوداع" میں مَیں نے بتایا تھا کہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ: **"قرآن کریم کے جو 700 احکامات ہیں سب پر عمل کرو"**

سورۃ روم کی آیات جو میں نے تلاوت کیں ان میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ: **"اس کی طرف رجوع کرنے والے (رہو) اور اس کا تقویٰ کرو اور نماز کو قائم کرو اور مشرکوں سے نہ ہو"۔**

## کیا ہمارا شمار مشرکین میں ہوتا ہے؟

مندرجہ بالا آیت کی طرف ہم دھیان دیں تو ہم سوچتے ہیں کہ مشرکوں میں سے ہم کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ ہم نے تو اسلام قبول کر لیا ہے؟ **مجھے نماز نہ قائم کرنا بھی ایک قسم کا شرک محسوس ہوتا ہے۔ انسان نماز کیوں قائم نہیں کرتا جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز قائم کرو؟** جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت اور ترجیحات آ جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کسی کام میں مصروف ہے تو وہ اس کی ترجیح بن جاتی ہے اور اگر باتیں چل رہی ہیں تو وہ اس کی ترجیح بن جاتی ہے۔ **مجبوریوں کے حالات میں تو اللہ تعالیٰ نے خود رعائیت دے رکھی ہے جبکہ یہ چیزیں مجبوری میں نہیں آتیں۔ ہم خود انتخاب کرتے ہیں کہ ہم نے یہ فضول کام پہلے کرنا ہے اور نماز بعد میں ادا کرنی ہے۔ جب کسی وجہ کو ترجیح دے کر ہم نماز نہیں پڑھتے تو اس چیز کو ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔** اس سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے۔ آمین

**اس سال چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی روزے رکھے۔ کسی بچے سے پوچھیں کہ تم نے روزہ رکھا ہے اور اگر اس سے کہا جائے کہ تم نے چھپ کر پانی تو نہیں پیا؟ تو کہے گا "نہیں پیا" اور وہ سچ جواب ہوگا۔ اگر ہم کہیں کہ ہم تو نہیں دیکھ رہے تھے کہ تم نے پیا یا نہیں پیا تو وہ کہے گا کہ اللہ تو دیکھ رہا تھا۔**

**تو کیا روزہ رکھنے کے لئے ہم نے جتنی چیزوں کو اپنایا اور اُس عہد کو نہیں توڑا اور صرف اور صرف اِس لئے نہیں توڑا کہ اللہ دیکھتا ہے۔ میرا سوال اپنے آپ سے ہے کہ کیا شوال کا چاند دیکھنے کے بعد اللہ دیکھنا بند کر دیتا ہے؟** جبکہ اللہ تعالیٰ رات دن دیکھتا ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ:

**"اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے آپ جو چیز اپنے پاؤں کے نیچے چھپا کر رکھیں اس کو بھی جانتا ہے"۔ ایک ایک رزق کا لقمہ جو ہمارے منہ میں جاتا ہے وہ سب جانتا ہے۔ اس لئے رمضان ختم ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں لینا کہ اب اللہ نہیں دیکھ رہا۔** اگر ہم اچھائی برقرار رکھیں گے تو ہمارا رمضان مبارک ہوگا اور ہماری فرشتوں نے جو رمضان میں مدد کی وہ ہم قائم رکھیں تو ہمارا رمضان اور عید مبارک ہوں گی۔

اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اس نیکی کو برقرار رکھیں گے یا آج کی نماز کے بعد اسے چوہے کے سپرد کردیں گے جو ایک مہینے کے اندر ہم نے کمایا ہے۔سب سے بڑا سبق جو اس کہانی والے شخص سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی گٹھڑی کو اونچائی پر رکھ دیا جہاں چوہا نہ چڑھ سکے۔ ہمارے لئے کونسا ذریعہ ہے؟ ہم نے جو نیکیاں کمائی ہیں ان کو ہم کیسے بچائیں؟؟؟ ان کو بچانے کا واحد ذریعہ صرف نماز ہے۔

## دُعا

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی بنائی ہوئی فطرت پر جس کی طرف ہم رمضان میں لوٹے ہیں اس پر قائم رکھے اور ہماری مدد فرمائے! دو دو تین تین چار چار پروں یا بازوؤں والے فرشتے ہمیشہ ہمارے دلوں پر نازل فرماتا رہے تا کہ تقویٰ کی راہیں جو قران میں بتائی گئی ہیں ان پر عمل کر سکیں! ہر ایک رنگ کے شرک سے ہم بچاتا رہے!۔اللہ تعالیٰ پاکستان کے جو حالات ہیں ان میں ہر پاکستانی کی حفاظت فرمائے!۔ ہماری راہ میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور کر کے، ہماری جماعت کی مدد فرمائے اور ہر احمدی کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

جو لوگ فوت ہوگئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ان کے درجات بلند فرمائے۔ ہر ایک کے دل میں کوئی نہ کوئی ایسی شخصیت ہوگی جن کے جانے کا اُن کو ذاتی طور پر دکھ ہے میرے دل میں جنکا دکھ ہے وہ کرنل شوکت صاحب اور عبدالغفور ثاقب صاحب ہیں۔آپ سب بھی ان کے لئے اور اپنے اپنے عزیزوں کے لئے جو فوت ہوئے ان کے لئے دعا کریں، اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے۔جن کے والدین فوت ہوگئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جن کے والدین زندہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو لمبی اور صحت والی عمر عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆☆

## مجھے تو چاہیے بس اِک نگاہِ دَردنواز

مولانا مرتضیٰ خاں حسن مرحوم

ترے کرم سے مِلی دَولت وصال مجھے
مِلے نہ دولتِ دُنیا نہیں ملال مجھے

جہانِ تیرہ منور ہو نُورِ ایماں سے
یہی ہے دُھن مجھے ہر دم یہی خیال مجھے

جلا کے خاک کیا مجھے سوزشِ غم نے
کیا ہے دردِ جگر نے بہت نڈھال مجھے

فدائے دینِ پیمبر ہوں میں دل و جاں سے
سمجھتا مفتیٔ بے پیر کیوں ہے ضال مجھے

اس میں ہوتی ہے حاصل اگر تجھے راحت
دیئے جا گالیاں اے خصمِ بدسگال مجھے

جلا رہی ہے دل و جاں کو آتشِ فرقت
رُلا رہی ہے لُہو حسرتِ وصال مجھے

ترا ہو آستاں اور میری ہو جبینِ نیاز
تمنا اور نہیں کوئی ذوالجلال مجھے

غریقِ بحرِ ضلالت میں ہو ہی چلا تھا
بچا لیا تیری رحمت نے بال بال مجھے

ترے غضب میں بھی پنہاں ہے رنگِ مہر و وفا
ترا جلال ہے آئینہ جمال مجھے

مجھے تو چاہیے بس اِک نگاہِ دَرد نواز
نہ چاہیے زرو دولت نہ ملک و مال مجھے

کمال عشق ہے مجھ کو جناب مرزا سے
نظر نہ آیا کوئی ایسا باکمال مجھے

# روشنی کے مینار

از: حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

## حضرت مولانا صدرالدین مرحوم ومغفور

14/15 نومبر 1981ء کی درمیانی شب جماعت احمدیہ لاہور پر ایک بہت بھاری سانحہ گذرا۔ حضرت مولانا صدرالدین امیر جماعت اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ساتھی، دین کے سلسلہ میں طویل اور قیمتی خدمات بجالانے کے بعد اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور جماعت کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان اور صدمہ سے دوچار کر گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ایک عرصہ سے احمدیہ تحریک میں مسئلہ تکفیر اور حضرت صاحب کے دعویٰ نبوت پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب نے دو عقیدے اختراع کر کے حضرت صاحب کے موقف سے روگردانی کی تھی۔ چنانچہ اس اختلاف عقائد پر جو اکابرین جماعت حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے ہم خیال رفقاء قادیان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد ڈالی۔ حضرت مولانا صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ ان بزرگوں میں سے ایک تھے-------اور 3 مئی 1914ء کو اس انجمن کے قیام کے سلسلہ میں جو پہلی مجلس معتمدین ہوئی آپ اس کے رُکن تھے۔

مجھے آپ کو 14-1913ء میں بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا کیونکہ آپ اس زمانہ میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ہیڈ ماسٹر اور میں اس سکول کا طالب علم تھا۔ آپ کی پُرکشش شخصیت کے جو گہرے اثرات اس مختصر سے عرصہ میں میرے دل ودماغ پر مرتسم ہوئے وہ آج تک نہیں مٹ سکے اور نہ مٹ سکیں گے۔ میں اگر یہ کہوں کہ اس زمانے کا تعلیم الاسلام ہائی سکول جو آپ کی راہنمائی میں چل رہا تھا۔ اُس زمانے اور اِس زمانے کے انگلش میڈیم پبلک سکولوں کی نسبت کئی لحاظ سے بدرجہا بہتر تھا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ کا نظم وضبط مثالی تھا لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ اپنے سکول کے کسی طالب علم سے کبھی سختی اور درشتی سے پیش نہیں آئے بلکہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ میرے ہی شفیق اور مہربان باپ ہیں۔ آپ کو اپنے طلباء سے اس قدر پیار ہوتا تھا کہ چھوٹے بچوں کے کھیلوں میں شامل ہو کر اُن کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ سکول کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا معیار بہت بلند تھا۔ آپ سکول کے تمام عملہ اور طلباء کی صرف دینوی تربیت کا ہی اہتمام نہیں فرماتے تھے بلکہ اُن کی اخلاقی اور دینی تربیت کا خاص خیال فرماتے تھے۔ سکول سے ملحقہ جامع نور میں پانچوں نمازیں بالالتزام ادا کی جاتی تھیں اور عصر کے وقت حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کے درس قرآن میں شامل ہونے کے لئے طلباء قطار باندھ کر آتے تھے۔ حضرت مولانا مرحوم ومغفور کی شخصیت اور اس طرح کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ اس سکول کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی اور علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ جیسے انسان نے اپنے بیٹے آفتاب احمد کو کسی پبلک سکول میں بھیجنے کی بجائے قادیان کے سکول میں بھیجنا پسند کیا۔ آفتاب احمد صاحب میرے ہم جماعت تھے۔ اس تربیت کا ایک ناقابل فراموش نظارہ کھیل کے میدان میں بھی دیکھنے میں آیا۔ ایک بار کھیلوں کا مقابلہ امرتسر میں منعقد ہوا۔ اسے سرکل کی کھیلوں کا مقابلہ کہتے تھے۔ بہت سے سکول شریک ہوئے۔ ہاکی کا آخری

مقابلہ قادیان سکول اور خالصہ ہائی سکول امرتسر کے درمیان ہوا۔ ہماری ہاکی کی ٹیم جیت گئی۔ جب آخری وسل ہوئی تو ہمارے کھلاڑی میدان میں جہاں کہیں بھی تھے سب کے سب خدا کے سامنے سجدہ شکر میں گر گئے۔ تماشائیوں پر اس منظر کا بہت گہرا اثر ہوا۔ آج بھی ہماری قومی ہاکی ٹیم کے کھلاڑی بین الاقوامی میچوں میں کوئی فائنل میچ جیتتے ہیں تو وہ سجدہ شکر میں گر جاتے ہیں۔ یہ رسم بھی قادیان سے ہی چلی۔

ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا مرحوم قرآن کریم بڑی خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ سننے والوں پر اس کا ایک خاص اثر ہوتا تھا۔ خواہ وہ درس دیتے وقت پڑھتے یا تقریر سے پہلے اور خواہ نماز پڑھاتے وقت۔ قادیان میں طلباء بڑے اصرار سے آپ کو اس پر رضا مند کرتے کہ عشاء کی نماز آپ پڑھائیں۔ آپ ان کے اس مطالبہ کو کبھی قبول کر لیتے اور اُن کی خوشنودی کے لئے نماز پڑھا دیتے۔ اُن کی قرات سے خواہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہوتی قرآن کریم کے الفاظ دلوں میں اُتر جاتے۔ اس رنگ میں آپ نے جماعت کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں جو کردار ادا کیا اس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ کی خوش لباسی، خوش کلامی، نفاست و ظرافتِ طبع، جرات مندی، مہمان نوازی اور بے داغ، بلند اخلاق کی بدولت آپ کی شخصیت میں ایک خاص جاذبیت تھی۔ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کا یہ عالم تھا کہ جوانی کے عالم میں انگلستان اور جرمنی میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ مردانہ حسن و وجاہت سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا لیکن آپ نے اپنے دامن کو کبھی تر نہ ہونے دیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہمارے احمدیہ انجمن لاہور سے تعلق رکھنے والے بزرگوں کے اخلاق و کردار پر کسی کو کبھی انگلی اٹھانے کی جرات نہیں ہوئی۔ وہ جہاں بھی گئے لوگوں کے سامنے اپنا پاک نمونہ چھوڑ کر آئے۔ مغربی تہذیب کی حیا سوزی اور بے باکی اُنہیں متاثر نہ کر سکی۔ برلن کی خوبصورت جامع اور اس کا محل وقوع اور جرمن ترجمۃ القرآن آپ کی نفاستِ طبع کے منہ بولتے ثبوت ہیں۔

مجھے آپ کی جرات مندی کے بھی دو تین واقعات یاد ہیں۔ اوکاڑہ کے مربعوں کے قابض مزارعین کو بیدخل کرانے کا کام بھی انجمن نے آپ کے سپرد کیا تھا اور یہ آپ کی ہمت، حوصلہ اور جرات مندی کا نتیجہ تھا کہ انگریز ڈپٹی کمشنر کے ذریعہ زمینوں کا قبضہ آپ نے انجمن کو دلایا۔ اس سے بڑھ کر جوان مردی آپ نے 1953ء میں دکھائی جبکہ آپ عمر کے ایسے حصے میں تھے جب انسان کے اعضاء مضمول اور کمزور ہو جاتے ہیں اور جوانی کی وہ طاقت اور جوش باقی نہیں رہتا۔ ہر طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا لوگ احمدیہ بلڈنگس کو تہ و بالا کرنے کے درپے تھے۔ روز خطرناک خبریں سننے میں آرہی تھیں۔ آپ کو بعض دوستوں نے مشورہ تھا کہ آپ اپنی حفاظت کی خاطر کسی اور جگہ چلے جائیں یہاں آپ کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

''ہم یہیں مریں گے یہیں جیئیں گے۔ اس مقام کو چھوڑ کر کہاں جائیں۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے''۔

اللہ نے بڑے معجزانہ طور پر آپ کی حفاظت فرمائی۔ نہ صرف آپ کی بلکہ ساری احمدیہ بلڈنگس کی۔ اسی طرح 1974ء میں ہوا۔ آپ کو اپنے موقف کی صداقت پر پورا یقین تھا۔ اس لئے آپ اپنے مقام سے نہ ہلے۔

آپ ایک نہایت خوش بیان مقرر بھی تھے۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جب آپ بولتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اپنے مخصوص انداز میں بیان فرماتے تو سامعین پر ایک سحر طاری ہو جاتا۔ سیرت نبویؐ آپ کا خاص موضوع تھا اور اس موضوع کو نبھانے میں آپ کی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی۔ ایک بار حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کی تعریف فرماتے ہوئے کہا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے مولوی صدرالدین صاحب کو سیرت پر تقریر کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے اور یہ اُن کا ہی حصہ ہے''۔

جلسہ سالانہ کے موقع پر احمدیہ بلڈنگس میں جو درس آپ ہر سال دیا کرتے تھے وہ بھی بڑے پُر تاثیر اور دلوں پر اُترنے والے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ڈاڈر سینی ٹوریم میں جہاں میں سپرنٹنڈنٹ تھا آپ تشریف لائے۔ ہم نے

وہاں آپ کے اعزاز میں تقریب منعقد کی جس میں کافی تعداد میں سینی ٹوریم کا سٹاف، مریض اور دیگر لوگ شامل ہوئے۔ آپ نے اس مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے ہستی باریٔ تعالیٰ پر جو تقریر کی اس سے سارے حاضرین بہت متاثر ہوئے اور دیر تک اسے یاد کرتے رہے۔

خدمت دین کے سلسلہ میں آپ نے جو نمایاں خدمات انجام دیں ہیں وہ بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔ حضرت خواجہ کمال الدینؒ جب ووکنگ مشن میں دو سال کام کرنے کے بعد واپس تشریف لائے تو ان کی جگہ حضرت مولانا صدرالدینؒ کو وہاں بھیجا گیا اور آپ نے اس کام کو بطریق احسن جاری رکھا۔ آپ غالباً 1916ء میں واپس آئے۔

1917ء میں انجمن نے مسلم ہائی سکول قائم کیا اور اس کے ساتھ سینئر کیمرج کی کلاسیں بھی کھول لیں تو مولانا مرحوم کو اس کا پرنسپل بنایا کیونکہ آپ نے قادیان میں جو کام کیا تھا اس کے پیش نظر آپ سے زیادہ موزوں آدمی ہمیں نہیں مل سکتا تھا۔ آپ کی زیر نگرانی یہ سکول اور کالج اس قدر نیک نام ہوا کہ معزز ترین خاندانوں کے چشم و چراغ جو بڑی آسانی سے ''چیفس کالج'' میں داخلہ لے سکتے تھے یہاں آ کر داخل ہوئے مثلاً نواب گورمانی سابق گورنر پنجاب سید امجد علی شاہ سابق وزیر خزانہ ، جناب سید مراتب علی شاہ صاحب کے صاحبزادگان اسی درس گاہ کے طالب علم رہ چکے ہیں۔ اس سکول کے نظم وضبط اور اعلیٰ تعلیمی معیار کو دیکھتے ہوئے مسٹر کراس نے جو سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آئے تھے یہ ریمارکس دیئے:

"I CAME TO SURPRISE THE SCHOOL BUT I FIND MYSELF SURPRISED"

''میں تو اس سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آیا تھا لیکن اسے دیکھ کر میں خود ہی حیران رہ گیا''

اسی سکول کے ایک سابق طالب علم جناب عاشق حسین بٹالوی جو بعد میں مشہور ادیب اور مصنف بنے اور پنجاب میں مسلم لیگ کے سیکرٹری بھی رہے ہیں۔ وہ احمدی نہیں ہیں لیکن لکھتے ہیں کہ:

''احمدیت کی فضا میں زمانہ طالب علمی کی جو کیفیت دل پر نقش ہوئی وہ مٹنے میں نہیں آتی۔ بورڈنگ (مسلم ہوسٹل) میں رہتے تھے۔ صبح سویرے مرحوم اکبر شاہ خان نجیب آبادی قرآن کا درس دیتے تھے۔ سکول لگنے پر مولانا صدر الدین۔۔۔۔ حدیث کے مختصر سے سبق سے آغاز کرتے تھے۔ پچھلے پہر احمدیہ بلڈنگس کا رُخ کرتے تھے وہاں مولانا محمد علی صاحب،۔۔۔۔ کا درس قرآن ہوتا تھا۔۔۔۔ بھلا یہ نقش کبھی مٹ سکتا ہے''۔

(حوالہ پیغام صلح 6 جون 1926ء)

1919ء میں حضرت مولانا صدر الدین صاحب ووکنگ مشن کے کام کے لئے دوبارہ تشریف لے گئے۔ 1922ء میں انجمن نے برلن میں اشاعت دین کے لئے مشن قائم کرنے کا فیصلہ کرلیا تو مولانا صدر الدین علیہ الرحمتہ دسمبر 1922ء میں وہاں تشریف لے گئے۔ آپ تین چار سال تک وہاں کام سرانجام دیتے رہے۔ وہاں آپ نے جرمن زبان میں ایک رسالہ ''مسلمیشن ریویو'' جاری فرمایا جس کے اعلیٰ پایہ کے مضامین کی وجہ سے اعلیٰ طبقہ کے عالم فاضل حلقہ بگوش ہوگئے۔ جرمنی میں اپنے قیام کے دوران میں آپ نے ایک شاندار مسجد تعمیر کی جو فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ اور مغربی برلن کا زیور ہے۔ اس فن تعمیر میں آپ کے اعلیٰ ذوق کا بھی پتہ ملتا ہے۔ یہ آپ کی نفاست طبع کا ایک اعلیٰ نمونہ اور یادگار ہے۔ خدمت کے سلسلہ میں جرمنی میں آپ کو جن مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اُن کا بھی آپ نے بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ایک اجنبی ملک اور تنہا انسان نہ دوست اور نہ رشتہ دار اور نہ کوئی مددگار ایسے حالات میں مشکلات کا مقابلہ کرنا اور ثابت قدمی دکھانا بڑی جرات اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔

1928ء میں انجمن نے جب قران کریم کا ترجمہ جرمن زبان میں کرانے کا فیصلہ کیا تو اس عظیم خدمت دین کا بھی آپ نے ہی اہتمام کیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 14)

# حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان

## فخر الدین احمد مرحوم و مغفور

فروغ شمع محفل تو رہے گا روز محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

''اور وہ (لوگ) جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے بھائیوں کی جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے لئے جو ایمان لائے حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب تو مہربان رحم کرنے والا ہے''۔ (سورۃ الحشر ۵۹:۱۰)

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان جنہوں نے ۹۶ سال برس کی عمر میں ۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء کی رات وفات پائی۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۰ء میں مانسہرہ کے ایک گاؤں دیگبراں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان سارے علاقے میں زہد و ورع، پاکبازی، خدا ترسی اور ہمدردی بنی نوع انسان کے لئے مشہور تھا۔ ہندو کہا کرتے تھے کہ اس گاؤں کا نام دیوگراں تھا جس کے معنی ہیں دیوتا سروپ لوگوں کی بستی۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس معمورہ میں دو فرشتوں کو دیکھ لیا ہے۔ ان کی مراد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور ان کے بھائی حکیم محمد یعقوب صاحب سے تھی۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان کے والد بزرگوار مولانا محمد یحییٰ صوبہ سرحد کے نامور طبیب، عالم دین اور ولی اللہ تھے۔ ان کے والد ماجد محمد سعید اپنے علم دین اور تقویٰ کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے تھے۔ وہ حضرت سید امیر المعروف ملاں صاحب کوٹھہ والے کے مرید باصفا اور خلیفہ تھے۔ یہ ملاں صاحب وہی بزرگ ہیں جنہوں نے ۱۸۹۲ء میں پیشگوئی کی تھی کہ امام مہدی پیدا ہو چکا ہے اور عنقریب ظاہر ہوگا۔ اس کا ذکر حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' میں بھی کیا ہے۔ مولانا محمد سعید صاحب، صاحب خوارق و کرامات تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے بیٹے حکیم محمد یحییٰ سے فرمایا کہ ''جب اپنی مہر بنواؤ (اس زمانے میں علماء اور فضلاء مہریں بنوایا کرتے تھے جو اپنی تحریروں اور فتاویٰ کے آخر میں ثبت کر دیا کرتے تھے) تو اس کے نگینہ میں یایحیٰ خذالکتاب بقوۃ کے قرآن الفاظ کندہ کروانا''۔ اپنی وفات سے ایک روز قبل اپنے نوجوان بیٹوں کو وصیت کی:

''میں نے تمہارے حق میں بہت دعائیں کی ہیں۔ مجھے امید ہے اللہ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔ قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہنا (یایحیٰ خذالکتاب بقوۃ۔ ناقل) امام برحق کا ظہور ہونے والا ہے۔ تم ان کے پاس دوڑ کر جانا اور دنیا کے لعن وطعن کی ہرگز پرواہ نہ کرنا۔''

اس تلقین کا نتیجہ تھا کہ جب حکیم محمد یحییٰ صاحب نے حضرت امام الزمان کی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام'' کو پڑھا تو بلاحیل و حجت حضرت اقدس کی خدمت میں بیعت کی درخواست بھیجی اور اپنی والدہ کی علالت کا ذکر کر کے لکھا کہ انہیں افاقہ ہونے پر شرف قدم بوسی حاصل کروں گا۔ حضرت اقدس نے جواباً لکھا کہ بیمار والدہ کی خدمت قادیان آنے پر مقدم ہے۔ چنانچہ حکیم صاحب والدہ ماجدہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ ان کی رحلت پر ۱۸۹۶ء میں قادیان آئے اور دست حق پرست پر بیعت کی۔ اس واقعہ کے ٹھیک ایک سو سال بعد اسی تاریخ پر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے پندرہ سال جماعت احمدیہ لاہور کی قیادت پوری کرنے کے بعد وفات پائی۔ جس تاریخ کو ان کے پیشرو حضرت مولانا صدر الدین امیر جماعت نے جان جان آفریں کے سپرد کی۔

**انا للہ وانا الیہ راجعون**

سال دیگر را کہ می داند حساب
تا کجا رفت آنکہ باما بود یار

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس پیکٹ میں حضرت اقدس مامور ربانی نے حکیم محمد یحییٰ صاحب کو ''آئینہ کمالات اسلام'' اور ''حمامۃ البشریٰ'' بھجوائی تھیں اس کے باہر اپنے قلم سے (یایحیٰ خذالکتاب بقوۃ) کے الفاظ لکھے تھے۔ان الفاظ سے حکیم صاحب کو اپنے والد بزرگوار کی تلقین یاد آ گئی۔حکیم صاحب اپنے والد مرحوم کی طرح بڑے عابد اور شب بیدار بزرگ تھے۔سفر و حضر میں قرآن کریم پڑھتے رہتے تھے۔پندرہ سال کی لگا تار کوشش سے انہیں فرقان حمید حفظ ہو گیا تھا۔راتوں کھڑے ہو کر اور سجدہ ریزی میں بڑی عجز و الحاح سے دعائیں کرتے۔راقم کو ان کی زیارت کا شرف نصیب ہوا تھا۔طبیعت میں انکسار تھا۔ شفقت اور ملائمت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔اس کا نمونہ میں نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان میں بھی پایا۔حکیم محمد یحییٰ صاحب، حضرت صاحب کی زندگی میں آخری بار دسمبر ۱۹۰۷ء میں قادیان گئے تو اپنے بیٹے ڈاکٹر سعید احمد خان کو بھی ساتھ لے گئے اور تین چار ماہ مسلسل قادیان میں رہے۔اس عرصہ میں باپ بیٹے کو روزانہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ ملتا رہا۔ایک دن حکیم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو ایک روپیہ دیا اور تاکیداً کہا کہ یہ حضرت اقدس کے دست مبارک میں دینا۔ازراہ امتثال امر جب ڈاکٹر صاحب نے یہ نذرانہ پیش کیا تو حضرت اقدس نے بڑی توجہ سے انہیں دیکھا اور استفسار فرمایا کہ یہ بچہ کون ہے؟ حکیم صاحب نے جو پاس کھڑے تھے عرض کیا ''حضور کا غلام زادہ ہے'' پھر حضرت اقدس نے نام پوچھا تو حکیم صاحب نے عرض کیا کہ نام حضور نے ہی ''سعید احمد'' رکھا ہے۔پھر حضرت اقدس نے کچھ دعائیہ کلمات ان کے حق میں فرمائے۔جو لفظاً و معناً حرف بحرف پورے ہوئے اور یہ فضل و احسان ربی ہے کہ مولانا محمد سعید صاحب کو جہاں امام موعود کا انتظار اور اشتیاق رہا ان کے پوتے، ان کے بیٹوں اور پھر پوتوں میں وہی سعادت جھلکتی رہی۔

لوائے ماپنہ ہر سعید خواہد بود

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ابتدائی تعلیم والدین کے سایہ عاطفت میں پائی۔آٹھویں اور نویں جماعت قادیان میں پاس کی۔حضرت مولانا صدر الدین امیر دوم اس ادارہ کے ہیڈ ماسٹر تھے اور آپ سے نہایت شفقت کا سلوک رکھتے تھے۔اس دوران حضرت مولانا نورالدین کی صحبت اور درس قرآن سے مستفید ہوئے جس سے قرآن کا عشق دل میں راسخ ہو گیا۔کالج کی تعلیم پشاور میں حاصل کی۔ یہاں انہیں حضرت غلام حسن خان نیازی صاحب کی صحبت میسر آئی۔طبی تعلیم انہوں نے لاہور میں حاصل کی۔یہاں بھی انہیں حضرت مولانا محمد علی اور ان کے پاک رفقاء میں عہد شباب گذارنے کا موقعہ ملا۔عہد طفولیت سے ہی ڈاکٹر صاحب کو قرآن سے خاصی محبت تھی۔ طالب علموں کی مجالس اور محافل میں نغمہ سرائی ہوتی تھی مگر ڈاکٹر صاحب تلاوت قرآن کیا کرتے اور اس انداز اور خلوص سے کرتے کہ سننے والوں کے دلوں میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا۔آپ کی قرات مسحور کن تھی۔ جلسہ سالانہ کے دوران حضرت مولانا محمد علی صاحب اور پھر حضرت مولانا صدرالدین صاحب کے دور امارت میں آپ سے نماز فجر کی امامت کے لئے کہا جاتا تھا۔دارالسلام میں پنج گانہ نمازوں میں آپ کی باقاعدہ شرکت بڑی بابرکت ہوتی تھی۔ڈاڈر سینی ٹوریم میں آپ برسوں سپرنٹنڈنٹ رہے۔وہاں قرآن مجید اور حدیث شریف کا درس اور نماز جمعہ زیر علاج مریضوں کے لئے روحانی علاج کا موجب بھی ہوتا۔ مریضوں سے آپ کی شفقت اور ہمدردی کے دوست دشمن سب ہی معترف رہے۔عوام اور حکام آپ کی بے لوث خدمات کو ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھتے۔اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ ممتاز عہدوں پر فائز رہے اور ہمیشہ دیانت، امانت اور فرض شناسی کا نمونہ رہے۔حکومت وقت نے آپ کو اعزازات سے بھی نوازا مگر حلم و انکسار میں وہ ترقی پہ ترقی کرتے رہے۔ایک موقعہ پر حکومت پاکستان نے فرمانروائے سعودی عرب کی خواہش پر حضرت ڈاکٹر صاحب کو اس ملک میں بھیجا۔اس دوران آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت

بھی حاصل ہوئی۔اس سے پیشتر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں آپ اپنے خرچ پر حج کر چکے تھے اور یوں وہ جماعت احمدیہ لاہور کے دوسرے قائد ہیں جنہوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ان کے والد بزرگوار حکیم محمد یحیٰی خان صاحب نے بھی ۱۹۳۳ء میں حج کا فریضہ ادا کیا تھا۔

۱۹۷۴ء میں جب سرکاری طور پر احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا اور عوام میں ان کے خلاف نفرت اور اشتعال کو بھڑکایا گیا تو ملک کے طول وعرض میں فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے۔احمدیوں کی مساجد گھروں اور دکانوں پر حملے ہوتے رہے اور انہیں ہر طرح سے ہراساں اور پریشان کیا گیا۔ایبٹ آباد جہاں موسم گرما میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے تربیتی کورس جاری کیا ہوا تھا جہاں سلسلہ کے نامور ملہم حضرت سید اسد اللہ شاہ لدھیانوی موسم گرما گذارا کرتے تھے مخالفین اور معاندین سلسلہ کے ظلم وستم کا نشانہ بن گیا۔حضرت ڈاکٹر صاحب کی کلینک اور گھر کے علاوہ احمدیوں کی دکانیں نظر آتش کر دی گئیں ۔ یہاں احمدیوں کا زندہ رہنا ناممکن ہو گیا تو حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپنے ساتھیوں کو ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔اس ارشاد کی تعمیل میں احباب سلسلہ نے اپنے آبائی گھروں کو خیر باد کہا اور شہر سے باہر ایک مقام پر پناہ گزیں ہوئے۔ماسٹر اصغر علی سیال مرحوم نے مجھے بتایا کہ جب ہم اپنے اہل وعیال کو لے کر گھروں سے نکلے تو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان نے مجھے حکم دیا کہ اس قافلہ کی فہرست تیار کر لی جائے۔میں نے جب فہرست مکمل کی تو پتہ چلا کہ ان کی تعداد ۲۷ تھی۔

۱۹۷۴ء میں حضرت ڈاکٹر صاحب مستقل طور پر دارالسلام ، لاہور میں آ گئے ۔احمدیہ انجمن لاہور کے نائب صدر کی حیثیت سے انہوں نے گراں قدر خدمات دینیہ سرانجام دیں ۔ دارالسلام میں آپ کی تشریف آوری سے رونق شروع ہو گئی ۔ جامع احمدیہ میں باجماعت نمازوں ، درس قرآن کریم اور ملفوظات بانی سلسلہ احمدیہ میں شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔بچوں کو قرآن کریم اور ابتدائی دینی تعلیم کے لئے مرحوم راجہ محمد افضل اور ان کی بیگم محترمہ مصروف عمل رہیں۔شبان الاحمدیہ کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔تراجم قرآن کے پروگرام کی طرف توجہ بڑھ گئی۔اپنے پیشرو حضرت مولانا صدرالدین صاحب مرحوم کی طرح حضرت ڈاکٹر صاحب نے بھی بیرون ملک جماعتوں کا دورہ کیا۔ جنرل عبداللہ مرحوم اور ان کی بیگم مرحومہ کی کوششوں اور میاں نصیر احمد فاروقی مرحوم کی ذاتی دلچسپی سے قرآن کریم کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ مکمل ہو کر اشاعت پذیر ہوا اور ان تینوں کے لئے صدقہ جاریہ ثابت ہوا۔

مجھے پانچ چھ سال حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے قریب اور ان کے ساتھ مرکز میں کام کرنے کا موقع ملا۔مولانا محمد یحیٰی صاحب اور میرے والد بزرگوار میں دیرینہ تعلقات اخوت تھے۔مولانا مرحوم جب بھی راولپنڈی آتے یا لاہور جا رہے ہوتے تو ہمارے گھر ضرور آتے۔ان تعلقات کو حضرت ڈاکٹر صاحب نے زندہ رکھا اور اپنی خاندانی روایات کا فروغ دیا۔میں دارالسلام میں آیا تو اپنے پڑوس میں میری رہائش کا انتظام کیا۔بارہا میرے گھر تشریف لاتے اور دینی امور کے بارے میں پند ونصائح فرمایا کرتے ۔میری ناچیز خدمت پر خوش ہوتے اور قدر کرتے ۔جماعت کے واعظین کی کارگذاری کی رپورٹوں پر انہیں مفید مشورے دیتے ۔احباب جماعت کے خطوط کا جواب التزام سے دیتے اور دعا کی درخواست بھیجنے والوں کو تسکین اور محبت آمیز خط اپنے قلم سے لکھتے۔ان کا حلقہ احباب وسیع تھا۔اس میں ربوہ کے اصحاب بھی شامل تھے۔وہ بھی آپ سے نیازمندانہ تعلقات رکھتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو قرآن مجید سے بڑی محبت تھی۔اس کا ثبوت آپ کی قرآن خوانی سے ہوتا ہے۔قرآن کی تلاوت کرتے تو حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔آپ کے فارغ اوقات کلام پاک یزدان کے مطالعہ اور اس پر غور میں صرف ہوتے۔قرآن کریم پورا تو شاید نہ ہو مگر ایک تہائی سے زیادہ آپ نے حفظ کر لیا تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں حافظ قاضی عبدالاحد صاحب امام الصلوۃ جامع دارالسلام انہیں نماز عصر کے بعد وہ آیات روزانہ سنانے جاتے تھے جو اگلی صبح کی نماز میں پڑھی جانی ہوتیں۔

مرحوم کی سوانح میں یہ پہلو نمایاں ہے کہ آپ نے زندگی بھر دس شرائط

بیعت پر عمل کر کے دکھایا۔ رنج و راحت عسر اور یسر نعمت و بلا میں اللہ تعالیٰ و تبارک کی قضاء پر رضا اور کمال وفاداری کا نمونہ دکھایا۔ اپنے خوش خصال بیٹے جنرل عبداللہ سعید اور ان کی نیکو کار بیگم، اپنے دامادوں، اپنی بیگمات کی وفات پر صبر واستقامت دکھلائی۔ اپنے عم زاد ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب، پروفیسر ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب، پروفیسر خلیل الرحمٰن صاب، محترم محمد انور صاحب مبلغ انگلستان، ماسٹر اصغر علی صاحب، حافظ شیر محمد خوشابی صاحب، الحاج شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان و ہالینڈ، بریگیڈئر عبدالطیف شہید، الحاج میاں نصیر احمد فاروقی روشن ستارے تھے جو ڈوب گئے اور جماعت کے لئے سانحہ عظیم ہوئے۔ ان کی مفارقت کا حضرت ڈاکٹر صاحب کو بڑا صدمہ ہوا مگر دامن صبر ان کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پایا۔ ۱۹۸۴ء میں ضیائی قانون کا نفاذ نا قابل برداشت تھا مگر ہمارے قائد کی استقامت میں فرق نہ آیا۔ انہوں نے جماعت کو تلقین کی کہ جہاں تک ممکن ہو اس ملکی قانون کی پابندی کریں۔ البتہ اللہ تعالیٰ سے دعاؤں میں زیادہ مستعد ہو جائیں کیونکہ ہمارے امام نے ہمیں یہی وصیت کی تھی۔

اندریں وقت مصیبت چارۂ مابیکساں

جز دعائے بامداد و گریہ اسحار نیست

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم میں بڑی وسعت قلبی تھی۔ چند ایک اصحاب اپنے خطوط میں نا ملائم اور درشت الفاظ لکھنے سے گریز نہ کرتے اور ان کی دلازاری کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ مگر آپ ہمیشہ بردباری اور درگزر سے کام لیتے اور حسن سلوک برقرار رکھتے۔ ان سے ملاقات ہوتی تو کوئی حرف شکایت نوک زبان پر نہ لاتے۔

بچوں سے بڑی محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے۔ دارالسلام کے بچے جو کھیل میں مگن ہوتے۔ حضرت امیر کو راستے میں دیکھتے تو دوڑ کر ان کے پاس جاتے اور مصافحہ کرنے میں سبقت کی کوشش کرتے۔ ان کے محبوب قائد مسکراتے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور دعائیں دیتے۔

جماعت کے امور کی سرانجام دہی میں بڑی دلچسپی لیتے۔ مجالس کی صدارت کرتے تو مجلس باوقار ہو جاتی۔ ہر ایک رُکن کو اظہار خیال کا موقعہ دیتے اور پھر مجلس کی کثرت رائے کا احترام کرتے۔ اپنی پسند مسلط کرنے کی کبھی کوشش نہ کرتے۔ انجمن کے آئین کی پاسداری اور انجمن کے قواعد اور فیصلوں کا احترام کرتے۔ ۱۹۸۴ء میں ملکی قانون نے جب مشکلات اور مصائب کا دروازہ کھول دیا تو آپ نے درمے، سخنے، قدمے، قولے، جماعت کو سنبھالا دیا۔ آپ کے صدق وصفاء زہد وورع، ایثار اور جرات ایمانی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس ارشاد کی صداقت کا مظہر ہیں کہ:

’’میں خدا کی مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے‘‘۔

یہ خداوند کریم کا فضل اور لطف وکرم ہے کہ ہمیں ایسے قائد ملتے رہے جو خدا کی قدرت کا مظہر تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان برگزیدہ نفوس کی معیت کی توفیق عطا فرمائے۔ قادر وتوانا خدا کا ہر وعدہ برحق ہے اور یہ آسمانی، روحانی اور ربانی سلسلہ قائم رہے گا اور خدائے برتر وتوانا کا وعدہ جو اس نے اپنے مامور سے ان الفاظ میں آج سے سو سال پہلے کیا تھا۔

’’میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا‘‘۔

ہمیشہ ایفا ہوتا رہے گا۔ ۱۵ نومبر ۱۹۰۶ء کو الہام بھی ہوا تھا ’’تیری دعا قبول کی گئی‘‘۔ (پیغام صلح نومبر، دسمبر 1997)

☆☆☆☆

# سالانہ دعائیہ اور آدابِ مجلس

## قاری غلام رسول

ارشادِ باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو جب تمہیں کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل جایا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فراخی دے اور جب کہا جائے اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات بلند کرے جو تم میں سے ایمان لائے اور وہ جنہیں علم دیا گیا اور اس سے جو تم کرتے ہو خبر دار ہے''۔

(سورۃ المجادلہ۔ 11)

ارشادِ ربانی کا ترجمہ ہے:

''رسول کے بلانے کو آپس میں ایسا قرار نہ دو جیسا تمہارا ایک دوسرے کو بلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے چھپ کر نکل جاتے ہیں پس چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ آزمائش میں نہ پڑیں یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے''(سورۃ النور۔ 63)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلانا تمہارے ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہیں کیونکہ ایک دوسرے کا بلانا ذاتی یا دنیوی ضروریات کے لئے ہوتا ہے اور رسول کا بلانا محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ بعض نے دعاء الرسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استجابت دعا کا یہاں سے استنباط کیا ہے۔ اور بعض نے ''دعاء الرسول'' سے مراد لیا ہے لوگوں کا رسول کو بلانا اور اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ جس طرح ایک دوسرے کو فلاں کہہ کر پکارا جاتا ہے اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارنا چاہیے بلکہ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ کہہ کر پکارنا چاہیے مگر حقیقت میں دعاء الرسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حقہ کی طرف دعوت دینا ہے اور اہم دینی امور کے لئے بلانا اس میں آجاتا ہے اور سیاق اسی معنی کو چاہتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعوت دی تھی تو اس کا منشا یہ تھا کہ دین حق دنیا میں پھیلایا جائے اور لوگوں کو نیکی کی تعلیم دی جائے اور بُری باتوں سے روکا جائے۔ آج مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کی طرف توجہ نہیں کرتے الا ماشاء اللہ۔ اسی کا نتیجہ فتنہ یا ''عذاب الیم'' ہے جس میں مسلمان مبتلا ہیں۔ (بیان القرآن جلد دوم)

تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے لئے سالانہ اجتماع حضرت اقدس نے شروع کیا تھا۔ تحریک احمدیت بنیادی طور پر اشاعت اسلام کی تحریک ہے جو پوری دنیا میں اسلام کا روحانی غلبہ چاہتی ہے اور وہ وقت آنے والا ہے جب تمام باطل نظریات سرنگوں ہو جائیں گے اور ہر جگہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا لہرائے گا۔ سالانہ دعائیہ میں ذکر و فکر کا روحانی ماحول ہوتا ہے۔ اہل علم کے مضامین و مقالات ہوتے ہیں۔ برادرانِ سلسلہ کی ملاقات ہوتی ہے اور دین حق کو پھیلانے کے لئے مختلف تجاویز پر غور کیا جاتا ہے۔ مختلف اندرونی و بیرونی علاقوں اور ممالک کے افراد شمولیت کرتے ہیں اور تبادلہ خیالات ہوتا ہے۔ نمازوں کی پابندی، قرآن کی تعلیم و تلاوت، دروسِ قرآن و حدیث اور ملفوظات حضرت اقدس، غرضیکہ جامع دارالسلام میں ایک روح پرور منظر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

**''میرا یہ دین شرق وغرب اور ہر خشک و تر اور ہر گورے و کالے تک پہنچے گا''**

یہ جماعت اسی پیغام کی علم بردار ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی شریعت اور دین کا غلبہ چاہتی ہے اور دنیا میں ہر جگہ دین حق کا پیغام پہنچا رہی ہے۔ سالانہ اجتماع بھی اس کا مظہر ہے۔ اس جلسہ کے ذریعہ ہمیں تزکیہ نفس کا موقع ملتا ہے۔ حضرت اقدسؑ مجدد صد چہار دہم اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اُٹھانے کا موقع ملے اور ان کی معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں اور اسلام کے تفرقہ مذاہب سے بہت لرزاں اور ترساں ہیں چنانچہ انہیں دنوں میرے نام ایک انگریز کی چھٹی آئی جس میں لکھا تھا کہ آپ تمام جانداروں پر رحم رکھتے ہیں اور ہم بھی انسان ہیں اور رحم کے مستحق ہیں کیونکہ دین اسلام قبول کر چکے ہیں اور اسلام کی سچی اور صحیح تعلیم سے اب تک بے خبر ہیں۔ سو بھائیو یقیناً سمجھو کہ یہ ہمارے لئے جماعت تیار ہونے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا انشاء اللہ سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف کھینچ لائے گی۔ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے۔ اور کوئی نہیں جو اس کو بدل سکے سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے۔ ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ کاموں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ہر قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں جاتی۔ اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ اس مذہب میں نہ نیچریت کا نشان رہے گا اور نہ نیچر کی تفریط پسند اور اوہام پسند مخالفوں کا نہ خوارق کے انکار کرنے والے باقی رہیں گے اور نہ ان میں بے ہودہ اور بے اصل اور مخالف قرآن روائیوں کو ملانے والے اور خدا تعالیٰ اس امت وسط کے لئے بین بین کی راہ زمین پر قائم کر دے گا'' (اشتہار 7 دسمبر 1892ء)

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ہمارے سالانہ اجتماع کی غرض کو بہت سے دوستوں نے نہیں سمجھا۔ یہاں اگر کوئی اس غرض سے آئے کہ ایک شخص کو مل جائے اور اس کے ہاتھ چوم لے یا نذر ونیاز دے جائے تو اس کا آنا نہ آنا برابر ہے۔ سالانہ اجتماع کی بڑی غرض تو یہ ہے کہ اکٹھے ہو کر اس کام کی ترقی کے لئے دعائیں کریں۔ اکٹھے ہو کر کوئی صورت سوچی جائے کہ اس کام کو کس طرح سرانجام دیں جو ہم نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کے مشوروں سے ہم فائدہ اٹھائیں اور اس کو ہم اور ترقی دے سکیں۔''

---

## بقیہ: روشنی کے مینار

یہ ترجمہ 1938ء میں چھپ کر تیار ہو گیا۔

جرمنی سے واپس آنے کے بعد آپ نے مختلف حیثیتوں میں انجمن کے لئے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ مدت تک انجمن کے نائب صدر رہے اور 1951ء میں حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جماعت کے امیر منتخب ہوئے۔ اور آخری سانس تک اس کے قائد رہے اس عرصہ کے دوران آپ نے ۔۔۔۔۔ ہال اور احمد یہ مارکیٹ نمبر 2-1 تعمیر کرائیں جن سے انجمن کی آمدنی میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ یہ عمارتیں بھی آپ کی محنت اور ہمت کی نا قابلِ فراموش یادگار ہیں۔ آپ کی وفات سے جماعت کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا اور آپ کی جدائی کو بڑی شدت سے محسوس کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی قربت سے نوازے اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے آمین

متذکرہ بالا خدمات آپ کی یادگار ہیں جو نا قابلِ فراموش ہیں۔

(پیغام صلح یکم دسمبر 1989ء)

# حضرت عمرؓ فاروق اعظم

آفتاب احمد (احمدیہ بلڈنگ، لاہور)

محرم کا مہینہ مسلمانوں کے لئے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اس ماہ کی یکم کو شہید ہونے والے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطاء کیے خطاب ''فاروق'' کے ہر طرح سے آئینہ ہیں۔ آپؓ سورۃ طٰہٰ کی آیات سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق بن گئے اور پھر ہر ایک قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اُٹھایا۔ فراست میں صحابہؓ کے امیر اور امین ایسے کہ خلیفہ بنے تو مسلمانوں کی معمولی سے معمولی چیز کو اپنی زندگی سے قیمتی سمجھ کے اس کی حفاظت کی اور امانت کا حق ادا کر دیا۔ شجاع، سخی، عادل، صادق، عبادت گذار غرضیکہ وہ کون سی خوبی ہے جس میں آپ کمال پر مکمل نہیں ہیں۔ غیرت مند ایسے کہ اُحد کے مقام پر مسلمان سخت ہزیمت میں مبتلا ہیں۔ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق پوچھتا ہے کہ کیا یہ تینوں زندہ ہیں؟ کوئی جواب نہیں دیتا۔ جب وہ ''ہبل کی جے'' کا نعرہ لگاتا ہے۔ آپ زندگی کی پرواہ کیے بغیر فوراً جواب دیتے ہیں اور ''اللہ اعلیٰ'' کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سب تجھے ذلیل کرنے کے لئے زندہ ہیں۔ معراج کی رات کا ذکر کرتے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے عمرؓ میں نے جنت میں تمہارا محل دیکھا لیکن اندر تیری غیرت کی وجہ سے نہ گیا، رو پڑتے ہیں۔ فرماتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں آپ پر غیرت کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہوتے ہیں۔ صحابہؓ سے بھی ملنا کم کر دیتے ہیں۔ ایک دن فاروق اعظم آپ کے گھر جاتے ہیں، ملاقات کی اجازت مانگتے ہیں، اجازت نہیں ملتی تو فرماتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ حکم دیں تو حفصہ (ام المومنین جو حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادہ تھیں) کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں!

آپ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجے میں اسلام لائے تھے۔ آپؐ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ عمر بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو مدد دے۔ میری ملاقات ایک دفعہ ایک دہریہ سے ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ ''اسلام میں اگر ایک اور عمر فاروقؓ ہوتا یا عمر فاروقؓ کو دس سال اور مل جاتے تو دنیا میں مسلمان مملکتوں کا نقشہ آج کی نسبت کچھ اور ہوتا''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث حضرت عمرؓ کے فضائل و مناقب پر ہیں۔ میں صرف ایک حدیث کا حوالہ دے رہا ہوں۔ نبی پاک صلعم نے فرمایا عمر جس راستے سے گذرتا ہے شیطان اسلام لے آتے ہیں اور اپنا سب کچھ نبی پاک صلعم کے حوالے کر دیتے ہیں۔ آپؓ تبوک کے موقعہ پر گھر کا آدھا سامان نبی پاک صلعم کے حوالے کر دیتے ہیں۔

۱۸ ہجری میں عرب میں شدید قحط پڑا۔ بیت المال میں جو کچھ تھا وہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ قحط کے دوران گوشت، گھی، شہد وغیرہ مکمل ترک کر دیا۔ عام حالات میں بھی خوراک بالکل سادہ تھی جو آج کے دور کا غریب آدمی بھی نہیں کھا سکتا، سوکھے ٹکڑے بھگو کر کھاتے ہیں۔

نبی پاک صلعم فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت تعلق ہے۔ جنگِ نہاوند کے موقع پر مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلے میں شکست ہونے کو تھی۔ آپؓ مسجد نبویؐ میں جمعہ کا خطبہ ارشاد

فرمارہے تھے۔خطبہ دیتے دیتے ایک دم اُونچی آواز سے پکارے:

''اے ساریہ پہاڑ کواپنے پیچھے کرلویعنی فوج کو پہاڑ کے سامنے لے آؤ

یادرہے حضرت ساریہؓ اس جنگ میں مسلمانوں کے امیر تھے۔حضرت ساریہؓ اور مجاہدین نے آپ کی آواز سینکڑوں میل دور سن لی۔اپنی ترتیب تبدیل کی اوراللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

قرآن پاک کی بہت سی آیات اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی وجہ سے نازل فرمائیں۔پردے کا حکم اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی اسبات پر کہ حضرت عمرؓ نے نبی صلعم سے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! ازواج مطہرات عام لوگوں سے پردہ کریں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات سن لی اور بھی کئی احکام اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے وجہ سے نازل فرمائے۔بعض روایات میں آتا ہے کہ کم ازکم تیس آیات عمرؓ کی وجہ سے نازل ہوئیں۔

اذان بھی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کوخواب میں سکھائی۔وہی اذان نماز کے لئے نبی پاک صلعم نے پسند فرمائی۔شام میں طاعون کی وباء پھوٹ پڑی جس سے تقریباً پچیس ہزار مجاہدین شہید ہوگئے۔ اس وقت حضرت عبیدہ بن جراح اس فوج کے امیر تھے۔حضرت عمرؓ شام کے سفر پر تھے۔آپ فوج کے اندر طاعون کی وجہ سے نہ گئے۔حضرت عبید بن جراح نے دور سے آواز دی امیر المومنین موت سے ڈر کے کہاں بھاگو گے (تو اللہ تعالیٰ کا چونکہ حکم ہے کہ جہاں عذاب ہو یا وباء ہو وہاں جانا منع ہے) آپؓ نے فرمایا کہ میں اللہ کے حکم سے عذاب سے بھاگتا ہوں۔صبح کی نماز میں ہمیشہ لمبی سورتیں تلاوت فرماتے۔رات کوتہجد میں اکثر عذاب الٰہی کی آیات تلاوت فرماتے اور بعض اوقات ان آیات کو پڑھ کر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔

نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ میرے سارے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔تاریخ گواہ ہے کہ نبی صلعم کے صحابہؓ میں حضرت ابوصدیقؓ کے بعد مرتبہ میں سب سے بلند حضرت عمرؓ ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:''خدا کی قسم عمرؓ اسلام لانے میں ہم سے پہلے نہیں۔یہ ہجرت کرنے میں ہم پر مقدم ہوئے مگر میں خوب جانتا ہوں کہ کس سبب سے وہ ہم پر افضل ہوئے اور ہم سب سے آگے بڑھ گئے کہ وہ ہم سب سے زیادہ دنیا سے بے تعلق تھے۔''

عمر بن العاص فاتح مصر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بہت جلیل القدر انسان تھے۔۔۔۔۔۔اپنی زندگی میں نبی پاک صلعم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ سے زیادہ خوفِ خدار کھنے والا کسی کونہیں پایا۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو کہ تمہاری مجالس تازہ رہیں تو انہیں حضرت عمرؓ کے تذکرے سے زندہ رکھو۔

آپؓ 22 سو مربع میل کے حکمران ہیں، دن کو فوجوں کے بارے میں پتہ کرنے کے لئے صحرائی راستے کی طرف نکل جاتے ہیں۔تھکتے ہیں تو وہیں پتھر سر کے نیچے رکھ کے آرام کرلیتے ہیں۔بیت المال کا اونٹ گم ہوتا ہے تو ڈھونڈنے کے لئے نکل جاتے ہیں۔

خلیفہ بننے سے پہلے تجارت کرتے ہیں، خوشحال ہیں لیکن خلیفہ بنتے ہیں تو اپنے لئے معمولی سا وظیفہ لیتے ہیں جس سے نذر بھی ممکن نہیں۔فرماتے ہیں جب میرے حالات بہتر ہوجائیں گے، بیت المال کو یہ وظیفہ بھی واپس کروں گا۔

مسلمانوں کی حالت فتوحات کی وجہ سے بہتر ہوتی ہے تو صحابہؓ کے وظائف مقرر کرتے ہیں۔قریش، مہاجرین اور خاص کر بنو ہاشم کے وظائف سب سے زیادہ مقرر فرماتے ہیں۔حضرت اسامہ بن زید بن حارثؓ کا وظیفہ اپنے آپ سے اور اپنے بیٹے سے زیادہ مقرر کرتے ہیں۔عبداللہ بن عمرؓ جب اس پر احتجاج کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلعم حضرت اسامہؓ سے تجھ سے زیادہ پیار کرتے تھے اور اسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ چاہتے تھے۔

ایک دفعہ مال غنیمت کا سامان تقسیم فرمایا دوسرے دن اسی کپڑے کا

لباس پہن کر جب خطبہ دینے گئے تو کسی نے کہا کہ اے امیر المومنین خطبہ سے پہلے جواب دیں کہ کل جو کپڑا تقسیم ہوا اس سے آپ کے کپڑے نہ بنتے تھے، باقی کپڑا کہاں سے لیا۔ اس پر اپنے بیٹے عبداللہ سے کہتے ہیں جواب دو ۔وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے حصے کا کپڑا اپنے باپ کو دیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے میں نے گنا تو آپ کے تہہ بند میں آٹھ پیوند تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''مسلمانوں کے مال میں میرا اتنا ہی حصہ ہے جتنا یتیم کے مال میں اس کے نگران کا حصہ''۔

ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں میں بہت غریب تھا، مزدوری کر کے کھجور پر گذارہ کرتا تھا، منبر سے نیچے اُتر آتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ میرے نفس کا علاج تھا جو کچھ مغرور ہو رہا تھا۔

ایک دفعہ خلافت کے دوران مکہ معظمہ جاتے ہوئے ایک جنگل سے گذرتے ہیں تو رو پڑتے ہیں کہ ایک وقت تھا میں اس جنگل میں خطاب کے اونٹ چراتا تھا، معمولی غلطی پر درے سے مار کھاتا تھا۔

شہادت کے وقت حضرت صہیب رومی نے فرمایا اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت کے صلے میں آپ کو جنت میں سیدھا لے جائے گا، رو پڑتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حساب نہ لے تو تب ہی چھوٹ سکتا ہوں۔

جب ابولولو فیروز نے آپ پر زہر بجھے خنجر کے وار کئے تو افراتفری میں صبح کی نماز کا وقت بہت کم رہ گیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز مکمل کرائی اور صبح کی نماز میں اس وقت قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورتیں عصر اور کوثر پڑھی گئیں۔

حضرت صہیب رومیؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کے بارے میں ہے کہ اگر کوئی ناواقف آپ کے گھر کا پتہ پوچھتا تو اسے بتایا جاتا اس گلی میں جس گھر کا دروازہ نہیں وہ امیر المومنین کا گھر ہے۔

**چند کارنامے مختصراً:**

(۱): عراق، ایران، مصر اور شام آپ کے ذریعے فتح ہوئے۔

(۲): بیت المال کا شعبہ قائم کیا۔

(۳): اسلامی مملکت کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔

(۴): عشر اور خراج کا نظام قائم کیا۔

(۵): مردم شماری کی بنیاد ڈالی۔

(۶): سن ہجری جاری کیا۔

(۷): زراعت کے فروغ کے لئے مہریں بنوائیں۔

(۸): پولیس اور فوج کا نظام قائم کر کے منظم کیا۔

**آپؓ کے کچھ اقوال نقل ہیں:**

(۱): جو زیادہ بولتا ہے اس کی لغزشیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔

(۲): خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔

(۳): اللہ کے سوا کسی سے امید نہ رکھو۔

(۴): اپنا بوجھ دوسروں پر مت ڈالو خواہ کم ہو یا زیادہ۔

(۵): حقیر سے حقیر پیشہ بھی ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔

(۶): جو آدمی زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہو جاتا ہے۔

(۷): آہستہ بولنا، نیچی نگاہ رکھنا اور حیا والی چال چلنا ایمان کی نشانی ہے۔

☆☆☆☆

# مذہب کی بنیاد ربوبیت پر

## احمد مرتضیٰ (ملتان)

مذہب کے جو لوگ منکر ہیں یا اس کی طرف سے بے پرواہ ہیں ان کے دلوں میں مذہب کے متعلق دو قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ ان کا پہلا خیال تو یہ ہے کہ مذہب کی وجہ سے بعض باتیں انسان کے اندر ایسی پیدا ہو جاتی ہیں جو دنیوی رنگ میں ان کے لئے موجب نقصان ہیں۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ مذہب انسان کی دوسری زندگی میں کام آنے والی چیز ہے۔ اس دنیا میں مذہب سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا!۔

یہ دونوں خیال صحیح نہیں۔ وہ اللہ جس نے اپنے کلام ہی کو الحمد اللہ رب العالمین سے شروع کیا اور بتایا کہ اللہ تمام جہانوں کی ربوبیت کرنے والا ہے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ خدا انسان کو مذہب جیسی چیز دے اور اس میں ربوبیت اور فائدہ نہ ہو بلکہ نقصان ہو! کیا ایسا مذہب جس میں اس دنیا کی ربوبیت اور فائدہ نہ ہو، خدا کی طرف سے ہوسکتا ہے؟ کیا مذہب کا نظام یونہی ہے؟ نہیں۔ بلکہ مذہب کی بنیاد رب العالمین نے ربوبیت پر رکھی ہے۔ اگر انسانوں کے اندر زبردست اخلاقی طاقتیں پیدا کرنا مذہب کا مقصد نہیں تو وہ مذہب خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ خدا پر ایمان لانا اور عبادات کو بجالانا خدا کی ربوبیت کو حاصل کرنے کا موجب ہوتا ہے۔

لیکن بعض اوقات چیزیں مشتبہ بھی ہو جایا کرتی ہیں چونکہ آج کے دور میں مسلمان اپنے مذہب پر عمل نہیں کر رہا۔ اور طرح طرح کی اخلاقی اور دنیوی کمزوریاں ان میں پیدا ہوگئی ہیں لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے شکوک اور اعتراضات بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر ہم ان شکوک وشبہات کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں تاریخ پر نظر ڈالنی پڑے گی اور اگر غور سے دیکھیں تو اسلام کی تاریخ میں اسلام کے اولین ماننے والوں کی اخلاقی، روحانی اور دنیوی ربوبیت جو اللہ نے، محمد صلعم کے ذریعہ کی۔ وہ تاریخ اسلام کا سنہری باب ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ عرب وہ ملک تھا جو ہمیشہ دوسروں کا محکوم رہا اور قریب کی تمام سلطنتیں اور ممالک ہمیشہ اسے حقیر و ذلیل سمجھتے رہے۔ مذہب اسلام نے ان میں ایسی طاقت پیدا کی کہ اسی کمزور و محکوم قوم نے دنیا کی بڑی دو سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا! اس سے معلوم ہوا کہ مذہب اسلام نے عربوں میں غیر معمولی طاقت پیدا کر دی۔ آج کل مسلمان، دینی، اخلاقی، دنیوی غرضیکہ ہر رنگ میں بہت پست ہیں۔

مذہب کے قبول کرنے سے انسانوں یا قوموں کے اندر کیا کیا خوبیاں پیدا ہوتی ہیں؟ اور مذہب سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟ خدا پر ایمان لانے سے انسان میں صداقت اور اخلاص کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اخلاق اور نیکی کی جڑ ہیں۔ انسان بسا اوقات نمائش کے طور پر مثلاً پبلک یا کسی افسر کو خوش کرنے کے لئے نیکی کرتا ہے۔ یہ دکھلاوا ہے۔ حقیقی نیکی نہیں لیکن جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ صرف خدا کو خوش کرنے کے لئے نیکی کرتا ہے دنیا کی اُسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ بے شک مخلوق خدا کی خدمت کرنے والے قسم قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن وہ جذبہ خدمت جس میں کوئی ذاتی غرض نہ ہو، صرف خدا پر ایمان لانے سے پیدا ہوتا ہے۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ کو دیکھیں تو اخلاص وصداقت کے ایسے نظارے دکھائی دیتے ہیں کہ مخالف سے مخالف انسان بھی حیرت میں آجاتا ہے مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اخلاص وصداقت کے متعلق کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی انکار نہیں کر سکا۔ غور کریں اُن میں یہ خوبیاں کہاں سے اور کس طرح آئیں؟ محض خدا، قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے! اور یہ خوبیاں صرف

حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی نہ تھیں بلکہ یہ ہر اس شخص میں تھیں جس کی تربیت رسول اللہ صلعم نے کی۔

یہ کس قدر عظمت کی بات ہے! جس مذہب نے سچائی کا جوہر تمام لوگوں میں پیدا کر دیا، وہ واقعی بلند مرتبہ ہے اور ربوبیت کرنے والا ہے۔ سچائی اور اخلاص سب سے بلند مرتبہ جوہر ہے۔ اگر مذہب سے کچھ سیکھنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے یہ سیکھو کہ سچائی کے معاملہ میں باپ، بیٹے، بھائی، بہن، دوست، رشتہ دار غرضیکہ کسی کا لحاظ نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن میں آتا ہے کہ جب شہادت دو تو سچ بولو، کسی قریبی رشتہ دار کا لحاظ نہ کرو، نہ کسی بلند مرتبہ کا لحاظ کرو۔

مگر افسوس ہے کہ آج ہم اسلام اور قرآن پر ایمان لانے والے ایسے ہیں کہ ہر وقت ہاتھ میں تسبیح رہتی ہے اور زبان پر ذکرِ الٰہی لیکن جب جھوٹ بولنے پر اُترتے ہیں تو حلف اُٹھا کر عدالتوں میں کذب بیانیاں کرتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے! ایسے لوگ دنیا کو کیا مذہب کی طرف بلائیں گے! اور کیا تبلیغ کریں گے؟

یقین جانو جس کے دل میں جھوٹ سے نفرت پیدا نہیں ہوتی وہ سچائی اور مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔

خوب یاد رکھو! مذہب کا سب سے پہلا تعمیری کام انسان کے اندر صداقت پیدا کرنا ہے۔ اگر آپ اللہ، اس کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں تو ہمیشہ سچ بولیں اور جھوٹ کے قریب بھی نہ جائیں۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی زندگی کی طرف دیکھو۔ آپ ہمیشہ صداقت پر قائم رہے۔ مقدمات کے دوران آپ کو ایسے مواقع بھی پیش آئے کہ سچ بولنے میں قید کا خطرہ تھا لیکن آپ نے ہمیشہ سچ ہی بولا۔ صداقت اور اخلاص کو اپنا شعار بنانا ہمارا اولین فرض ہے کیونکہ ہم ایک تبلیغی جماعت ہیں اور ہمارا کام ہے کہ لوگوں کو مذہب کے قریب لائیں۔ جھوٹ بولنے والا فی الحقیقت لوگوں کو مذہب سے متنفر کرتا ہے۔ اس کی تبلیغ بے معنی ہے۔

اللہ ہم سب کو صحیح معنوں میں تبلیغ کا حق ادا کرنے اور عمل کی توفیق دے آمین۔

☆☆☆☆

# نماز

## مولانا مرتضٰی خاں حسن مرحوم ومغفور

راحتِ دل راحتِ جاں ہے نماز
رہنمائے راہِ یزداں ہے نماز
پڑھتے ہیں مُسلم اسے باصد نیاز
مومنوں کا دین و ایمان ہے نماز
یہ گناہوں سے بچاتی ہے ہمیں
راہ جنت کی دکھاتی ہے ہمیں
دل کے آئینے کو کر دیتی ہے صاف
یہ حقیقت ہے نہیں لاف و گزاف
عادتیں اچھی سکھاتی ہے ہمیں
اور برائی سے بچاتی ہے ہمیں
قلبِ انساں کو جلا دیتی ہے یہ
اور خالق سے ملا دیتی ہے یہ
تم نمازوں کو ادا کرتے رہو
بندگی کا حق ادا کرتے رہے

# ”دین میں کوئی جبر نہیں“

## درس قرآن کریم ”نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور“

## (معارف القرآن)

ترجمہ: ”دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ پس جو شخص شیطان کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے اس نے ایک محکم جائے گرفت کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں۔ اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اللہ اُن لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو کافر ہیں اُن کے ولی شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہی آگ والے ہیں جو اسی میں رہیں گے۔“ (سورۃ البقرہ آیات ۲۵۶ تا ۲۵۷)

پچھلے درس میں مَیں نے لا اکراہ فی الدین کے زرّیں اصول کی بنیادی وجہ خود قرآن کریم کے اگلے الفاظ کی طرف توجہ دلا کر بیان کی تھی کہ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی۔ وہ ہدایت دینے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے جس نے ہمیشہ نبی اور کتاب بھیج کر نہ صرف اُس زمانہ کے لوگوں کی ہدایت کی بلکہ گمراہی جو پہلے ان پر واضح نہ تھی (اور اسی لئے وہ اس میں مبتلا تھے) اسے بھی واضح فرما دیا۔ اور وہ بھی دلائل دے کر جو انسان کی عقل اور فطرت کو اپیل کرتے ہیں، مگر لوگ بد قسمتی سے اپنی، اپنی الہامی کتابوں کو کھو بیٹھے یا ان میں ایسی تحریفیں کر ڈالیں کہ ہدایت پھر گمراہی سے غلط ملط ہو گئی۔ اور نبیوں کے نمونہ کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کو قرآن کریم میں مکمل فرما کر اس کی حفاظت کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اور نبی آخر الزمان صلعم کو نمونہ میں سنت کی شکل میں ایسا محفوظ ہے کہ کسی نبی کا نہیں۔ اور جہاں اس نمونہ کے بارہ میں کوئی شک ہو تو اس کا حل یوں فرما دیا کہ قرآن پاک جو بالکل محفوظ ہے اس پر پیش کر کے فیصلہ کرو کیونکہ رسول اللہ صلعم فداہ ابی و امی نے کبھی کوئی عمل اور کوئی بات قرآن پاک کے خلاف نہیں کی بلکہ اس کی مکمل اطاعت میں حضور کے تمام اعمال و افعال تھے۔ اس کی تفصیل میں پچھلے درس میں کر چکا ہوں۔

تو جب کہ ہدایت یا سیدھے راستہ کو گمراہی یا غلط راستوں سے واضح کر دیا گیا ہو تو پھر انسان کی عقل اور اس کی فطرت ہمیشہ سیدھے راستہ کو اختیار کرنے کی ہدایت کرے گی اور غلط راستوں سے بچنے کو کہے گی۔ مگر انسان کو بدترین دشمن یعنی شیطان ہمیشہ کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسان کے جذبات اور خواہشات کو بے قابو کر کے اس کی عقل اور فطرت صحیحہ پر پردہ ڈال دے اور انسان کو یوں اندھا کر کے سیدھے راستہ سے گمراہ کر دے۔ اسی لئے کیا حکمت بھری کتاب قرآن پاک ہے کہ اگلے الفاظ ہیں ”پس جو شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک محکم جائے گرفت کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں“۔

اب یہاں شیطان سے انکار کے معنی اس کی ہستی سے انکار کے تو ہو سکتے ہیں کیونکہ شیطان کی ہستی کا علم خود قرآن پاک نے دیا ہے بلکہ انکار کے معنی شیطان کی بات ماننے سے انکار کا ہے۔ اور اس بات کو قرآن حکیم نے اتنی بار واضح فرمایا ہے کہ ان تمام موقعوں کا ذکر اس مختصر درس کو ایک طویل داستان بنا دے گا۔ صرف ایک جگہ سے چند آیات سناتا ہوں۔

”اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ تم میری عبادت کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور یقیناً اس نے تم میں سے، بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا، تو کیا تم عقل سے کام

نہیں لیتے تھے؟ یہ (تمہارے سامنے) وہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا۔ آج اس میں داخل ہو جاؤ اس کی وجہ سے جو تم نے میری نافرمانی کی‘‘۔
(سورۃ یٰسین ۳۶: آیات ۶۰ تا ۶۴)

قرآن حکیم کی اس موضوع پر بے شمار آیات میں سے مذکورہ بالا آیت کو میں نے اس لئے چنا ہے کہ وہ آج کے درس کی آیات کی بھی تفسیر کرتی ہیں۔ مندرجہ بالا آیات کی تفسیر سے پہلے میں یہ جتادوں کہ بدقسمتی سے اکثر لوگ عبادت کے معنی نماز پڑھنے کے کرتے ہیں حالانکہ عبادت کے لغوی معنی ہیں فرمانبرداری کرنے کے۔ نماز کے لئے قرآن حکیم میں لفظ صلوٰۃ آتا ہے۔ اور اگر بعض بزرگوں نے عبادت کے معنی کہیں نماز کے کئے ہیں تو صرف اس لئے کہ نماز اظہارِ فرمانبرداری ہے۔ شیطان کے آگے تو کوئی ہاتھ باندھ کر نماز نہیں پڑھتا۔ اس لئے مندرجہ بالا آیات میں پہلی بات تو یہ فرمائی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آدم کی اولاد کو فرمائے گا کہ کیا میں نے تم کو حکم نہ دیا تھا اسے آدم کی نسل کہ تم شیطان کی فرمانبرداری نہ کرنا؟ یہ حکم حضرت آدم کے واقعہ سے جو ملا (اسی لئے بنی آدم فرمایا) تو تمام نبیوں کے ذریعہ اور الہامی کتابوں میں ملتا رہے اور قرآن حکیم میں بالکل واضح طور پر بار بار آیا ہے۔ آج کے درس کی آیات اور سورۃ یٰسین کی مندرجہ بالا آیات میں بھی ہے۔ تو جہاں شیطان کی فرمانبرداری نہ کرنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی دلیل دی کہ ’’بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے‘‘ جیسا کہ میں حضرت آدم اور اماں حوا کے واقعہ آیات کی تفسیر میں بتا آیا ہوں کہ جس جنت سے وہ نکالے گئے وہ اگلے جہاں کی جنت نہ تھی (جہاں نہ تو شیطان کا گذر ہوگا اور نہ اس جنت سے بموجب آیت **وما ھم منھا بمخرجین** کوئی نکالا جائے گا) بلکہ وہ دل کی جنت تھی جس میں انسان اس دنیا میں پیدا کیا جاتا ہے تو شیطان نے نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا کو دل کی جنت سے نکلوا دیا بلکہ نسلِ آدم میں جو بھی شیطان کی بات کو مانے تو وہ اپنے دل کی جنت کھو بیٹھتا ہے مثلاً جہاں انسان نے رشوت لی تو اس کے دل کا جنت سے بیفکری گئی اور اگر پکڑا گیا تو پھر حزن آلیتا ہے۔ اسی لئے مومن کے لئے قرآن حکیم میں کئی جگہ فرمایا گیا ہے کہ **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** یہی دل کی جنت ہے جو مومن کو اسی دنیا میں ہمیشہ حاصل رہتی ہے۔ شیطان کو کھلا دشمن اس لئے کہا کہ شیطان کی جتنی تحریکات ہیں وہ کھلے طور پر انسان کی عقل اور فطرت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسی لئے شیطانی باتوں کو انسان کی عقل بُرا بتاتی ہے اور فطرت ان سے نفرت کرتی ہے۔ جن کی عقل اور فطرت شیطان کی اتباع میں مسخ بھی ہو جاتی ہے وہ بھی جب کوئی دوسرا ان سے وہی برائی کرے تو اس کو بُرا مناتے ہیں۔ خود گالی دے لیتے ہیں مگر دوسرا انہیں گالی دے تو اتنا بُرا لگتا ہے کہ قتل و خون تک پر اُتر آتے ہیں۔

سورۃ یٰسن کی مندرجہ بالا آیات میں اگلے الفاظ ہیں کہ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ ’’میری فرمانبرداری کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے‘‘۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ بھی دلیل دی کہ وہ تم کو سیدھے راستہ پر لے کر چلے گا۔ انسان کو پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے کہ اس نے انسان کو کس مقصد یا مقام کو حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور کس راستہ پر چل کر وہ اس مقصد کو پا سکتا ہے۔ آگے فرمایا کہ ’’اس (یعنی شیطان) نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا۔ تو کیا تم عقل سے کام نہ لیتے تھے‘‘۔ مثلاً انسان کی عقل چوری کو بُرا بتاتی ہے۔ اور جو انسان جذبات اور خواہشات نفسانی سے جنہیں شیطان اُبھارتا ہے خود چوری پر اُتر بھی آتا ہے تو چوری کے مال کی تقسیم کے وقت ساتھی چور سے لڑ مرتا ہے۔ آیت کے اس حصہ میں کیا حکمت کی بات فرمائی ہے کہ جب ہم نے ہدایت یا سیدھے راستہ کو گمراہی سے واضح کر دیا تھا تو کوئی عقل مند سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ کرنے والے راستہ پر کب جاتا ہے؟ مگر تم نے اپنی خداداد عقل سے کام نہ لیا اور سیدھے راستہ کو اختیار نہ کیا۔ قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ مندرجہ بالا تحریر میں مَیں نے ’’کیا تم عقل سے کام نہ لیتے تھے‘‘؟ کے الفاظ کو جب وہ پہلی دفعہ اس درس میں آئے تو جلی قلم سے لکھا ہے اور دوسری دفعہ ان کے نیچے خط کھینچ کر آپ کی توجہ کو ان الفاظ پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس لئے کہ لا اکراہ فی الدین کے زریں اصول کو اس رکوع میں قائم کرنے کی منجملہ

اور وجوہات کے یہ وجہ بھی ہے کہ اگر دین کو زبردستی منوایا جائے تو پھر انسان کی عقل پر تالا لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو خالقِ نسلِ انسانی ہے۔ اس کی منشاء (مبنی برحکمت) یہ ہے کہ انسان کو جو اس نے عقل کی بیش بہا نعمت دی ہے (جو اس نے کسی اور مخلوق کو نہیں دی) اس کو استعمال کر کے انسان اپنے نفع اور نقصان کو خود سمجھے اور خود اختیار کرے تبھی تو وہ نیکی کو اختیار کرتا اور بدی کو چھوڑتا ہے۔ اگر دین کو زبردستی منوایا جائے تو عقل پر تالا لگائے جانے کے علاوہ ایسا ایمان نہ نیکی بنتا ہے نہ (اگر وہ جھوٹا دین ہے تو) بدی۔ زبردستی یا مجبوری کے عمل میں نیکی رہتی ہے نہ بدی۔ ایک قیدی اگر چوری نہیں کرتا تو نہ تو وہ نیک ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے اور نہ یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ قید کی مجبوری سے چھوٹ کر پھر چوری نہیں کرے گا۔ میں جب قرآن کریم کی حکمتوں کو اور قرآن کے علم و معرفت کے رازوں کو عیاں کرنا دیکھتا ہوں تو میرا دل پگھل کر آستانہ الٰہی پر سربسجود ہو جاتا ہے اور بے اختیار میرے منہ سے نکلتا ہے **سبحن ربی الاعلیٰ** اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے ہر لمحہ بس یہی کہتا رہوں۔ **سبحن اللہ وبحمدہٖ سبحن اللہ العظیم۔**

شیطان خود آگ میں سے پیدا ہوا ہے۔ اُدھر انسان کو حیوانی جسم بھی گرمی سے زندہ ہے (اسی لئے مُردے کا جسم ٹھنڈا پڑ جاتا ہے) اور اس جسم میں سے جو جذبات اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں ان کی نیچر بھی گرم ہے۔ گرمی ایک حد تک اور جب وہ قابو میں ہو تو تمام حرکت اور عمل کا باعث بنتی ہے۔ مگر شیطان اس کو بھڑکا کر اور جذبات اور خواہشات کو بے قابو کر کے انسان کے دل کے اندر اس زندگی میں ہی **ھل من مزید** کی آگ کو بھڑکا دیتا ہے جو مرنے کے بعد ظاہری جہنم کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی سورۃ الہمزہ نمبر ۱۰۴ میں واضح فرما دیا گیا ہے۔ سورۃ یٰسٓ کی زیرِغور آیات میں سے آخری آیت میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو انسان کو اپنے جذبات اور خواہشات کو قابو میں رکھ کر ان سے قوتِ عمل اور اخلاقی اور روحانی ترقیات کرنا سکھاتا ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے کے بجائے شیطان کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہ اپنے لئے اس آگ کو خود بھڑکاتے ہیں جس میں انسان کو مرنے کے بعد ظاہری جہنم میں داخل کیا جائے گا اور جب وہ اپنے کئے کا مزہ چکھے گا تبھی اس کی اصلاح ہوگی۔ تھوڑی کئے انسان کی بنیادی اصلاح نہیں ہوتی۔ اور جتنی پرانی بیماری ہوگی اور جتنی جڑیں اس کی پھیل گئی ہوں گی اتنا ہی لمبا عرصہ تک علاج بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

سورۃ یٰسٓ کی آیات کے پسِ منظر کو میں نے اس لئے بیان کیا ہے کہ وہ آج کے درس کی آیات کی تفسیر کرتا ہے۔ آج کے درس کی پہلی آیات میں یہ فرمانے کے بعد کہ ہدایت کو گمراہی سے اس دینِ حق میں واضح کر دیا گیا ہے مگر شیطان جو تمہارا دشمن ہے وہ تم کو گمراہی کرنے کی کوشش کرے گا اس لئے اس کے بہکانے سے بچتے رہنا، اگلی بات یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر امن میں آجاؤ (جو ایمان کے معنوں میں سے ہے)۔ اس ایمان کو پیدا کرنے کے لئے خدا کی ہستی اور توحید پر دلائل قرآن حکیم بار بار دیتا ہے۔ اسی رکوع میں پچھلے درس میں آیت الکرسی کی تفسیر میں ان دلائل کو بیان میں نے کیا تھا۔

اب آج کے درس کی آیات کو پھر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ پر ایمان لا کر تم ایک ایسی محکم جائے گرفت کو تھام لو گے جو ٹوٹنے والی نہیں۔ اس دنیا کی زندگی میں غلط خیالات اور اعتقادات کے بہاؤ اسی طرح آتے ہیں جس طرح سیلاب میں آتے ہیں اور موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں۔ اور بھنوروں میں انسان پھنس جاتا ہے جس طرح کہ کوئی دریا یا سمندر میں تیرنے والا موجوں کے تھپیڑے کھاتا اور بھنوروں میں پھنس کر ڈوبنے لگتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر کوئی تھامنے کی چیز یا پکڑا اسے مل جائے تو اس کی جان میں جان آتی ہے مگر اکثر ایسے سہارے جو وہ پکڑتا ہے وہ خود دریا کے بہاؤ یا سمندر کی موجوں کے تھپیڑوں سے ٹوٹ جاتے ہیں اور تیرنے والا ڈوب کر مر جاتا ہے۔ آج کل کے زمانہ میں مادہ پرستی شرک، دنیا پرستی، زر پرستی، دہریت، اشتراکیت اور نت نئی تحریکات اور غلط نظریئے جو پیدا ہو رہے ہیں وہ ایسی موجیں ہیں جو انسان کو بہا کر لے جا رہی ہیں۔ رسم و رواج اور فیشن بھی سیلاب کی طرح لوگوں کو بہاتے ہیں۔ زندگی کے ابتلاء مثلاً غربت، بیماریوں، موت اور ٹھوکریں جو انسانوں کو لگتی ہیں ان میں لوگ اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں اور کبھی ادھر بھٹک کر جاتے ہیں تو کبھی ادھر اور بعض تو خودکشی تک کر بیٹھتے ہیں۔

تو ان زندگی کے تھپیڑوں اور بھنوروں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان ایک محکم جائے گرفت کا کام دیتا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتی۔ تمام تاریخ کو دیکھ لیجئے جن لوگوں نے زندگی کے ابتلاؤں میں ثابت قدمی دکھلائی ہے تو وہ وہی تھے جن کو اللہ پر مضبوط ایمان تھا۔ ایسا ایمان انہیں تسلی دیتا ہے کہ جو بھی ابتلاء آئیں وہ مشیت ایزدی سے آتے ہیں اور ان میں انسان کی اخلاقی اور روحانی بہتری مقصود ہوتی ہے۔ اس لے انہیں صبر اور دعا کے ذریعہ سے سہنا چاہیے۔ قرآن بھی کیا پیاری کتاب ہے۔ اگلے الفاظ آتے ہیں **واللہ سمیع علیم** اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ زندگی کے ابتلاؤں میں انسان بے اختیار خدا کو پکارتا ہے تو فرمایا کہ ضرور پکارو کہ وہ تمہاری دعا کو سننے والا ہے۔ اور گر تم نہ بھی پکارو جیسے کہ ناگہانی اور اچانک آفت میں ہوسکتا ہے تو وہ بہر حال تمہارے حالات کو جاننے والا ہے۔ وہ تمہارے بن پکارے بھی تمہاری مدد کو آئے گا اگر تم اس کے بندے بنو۔ میں نے دیکھا ہے کہ سینکڑوں ہزاروں موقعوں پر وہ اُن خطرات سے اپنے بندے کو بچالیتا ہے جن کا علم انسان کو اس خطرہ کے گذر جانے کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے خدا کو پکارنا کیا تھا۔

اگلی اور آخری آیت ہے کہ ''اللہ مومنوں کا ولی ہے۔ وہ انہیں اندھیروں میں سے نور کی طرف بلاتا ہے''۔ اللہ! اللہ! مومن کی عزت فرمائی کہ اللہ تمہارا دوست بن جاتا ہے، کارساز بن جاتا ہے۔ گویا ہر مومن ولی اللہ بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کارسازی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں اندھیروں میں سے نور میں لاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کی گمراہیاں اور غلط تحریکات بھی تاریکیاں ہوتی ہیں جن میں انسان کو نظر نہیں آتا کہ کیا کرے۔ کدھر جائے مگر انسان کا اپنا باطن سب سے بڑی تاریکی ہے جس میں سے وہ گذر رہا ہے کیونکہ انسان اپنے باطن کو دیکھ نہیں سکتا۔ مگر انسان کا باطن ہی ہے جو اس کی ظاہری زندگی میں اسے لے کر چلتا ہے اور پھر انسان کی زندگی کا ہر قدم خود اس کے باطن پر اثر ڈالتا ہے اور اس کے ''نفس'' کی شکل وصورت بناتا چلا جاتا ہے۔ اور نفس کی صحت یا بیماری کا باعث بنتا ہے۔ اب قرآن کی حکمت کو دیکھئے کہ باطن کی تاریکیوں یا باہر کی ظلمات (غلط خیالات، فاسد تحریکات) میں سے مومن کو گذارنے کے لئے جو روشنی اللہ تعالیٰ مومن کو بخشتا ہے اس کے لئے لفظ ''نور'' استعمال فرمایا نور اور معمولی روشنی میں یہ فرق ہے کہ ظاہری روشنی تو صرف چیزوں کے ظاہر پر پڑتی ہے اور جس ظاہر کو وہ بتاتی ہے وہ ممکن ہے کہ اصلیت نہ ہو۔ مثلاً ظاہری روشنی اگر ایک چیز کو سرخ رنگ کا دکھاتی ہے تو دراصل وہ چیز سرخ نہیں ہوتی بلکہ اس کی سطح میں ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ وہ روشنی کے باقی چھ رنگوں کو تو جذب کر لیتی ہے مگر سرخ رنگ کو لوٹا دیتی ہے اور ہماری آنکھ کی پتلیوں پر پڑ کر ہمیں اس چیز کو سرخ دکھاتی ہے۔ یہ سائنس کے انکشافات ہیں۔ اس کے برعکس ''نور'' وہ روشنی ہے جو ظاہر اور باطن دونوں کو روشن کر دیتی ہے۔ تو چونکہ وہ دونوں کو اور خصوصاً باطن کو بھی روشن کر دیتی ہے تو انسان دھوکا نہیں کھاتا۔ تو مومن اور معمولی انسان میں یہ فرق ہے کہ معمولی انسان یا تو اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا اور بھٹکتا پھرتا ہے اور یا زیادہ سے زیادہ چیزوں کے ظاہر کو دیکھتا ہے جو کہ بقول سائنس کے اصلیت نہیں۔ مومن کو اس نور بصیرت سے جو اللہ تعالیٰ اسے بخشتا ہے ظاہر اور باطن دونوں نظر آتے ہیں اور وہ ٹھوکروں اور گمراہی سے بچ جاتا ہے۔ **فالحمد اللہ علی ذلک**۔

آخری آیت کے اگلے الفاظ ہیں **والذین کفرو اولیھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمت اولیک اصحب النار فیھا خلدون**۔ کفر کے معنی انکار کرنا یا ناشکری کرنا دونوں ہیں۔ تو جو لوگ اس ہدایت اور نور کا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اتارے ہیں۔ (اسی لئے قرآن کو ھدی ونور دوسری جگہ فرمایا ہے) انکار کرتے اور یوں ناشکری کرتے ہیں یا زبانی ایمان تو لاتے ہیں مگر اس ہدایت اور نور سے عملی فائدہ نہ اٹھا کر اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ وہ پھر کس کی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ آج کل کے دہریئے زندگی گذارتے ہیں؟ اپنے دل کی یعنی اپنے جذبات اور خواہشات کی، اور ان کو بھڑکانے والا شیطان ہے۔ شیطان کے لئے یہاں طاغوت استعمال فرمایا جس کے معنی حد سے گذرنے والا کے ہیں۔ تو جذبات اور خواہشات جن پر حد تقویٰ کے ذریعہ قرآن لگانی چاہتا ہے، وہ جذبات اور خواہشات جب حد کے اندر نہ رکھی جائیں تو اس کے دو نتائج ہوتے ہیں۔ اول تو اس نور عقل پر جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو بخشا ہے پردہ پڑ جاتا ہے جیسا کہ ہم ہر گنہگار اور مجرم کے افعال میں دیکھتے ہیں اور یوں انسان نور باطنی سے اندھیرے میں ہو کر ٹھوکریں کھاتا اور بھٹکتا ہے۔ اسی کو فرمایا کہ **یخرجونھم من النور الی الظلمت**۔ دوسرے جذبات اور خواہشات جو بذات خود گرم ہیں وہ شیطان کے بھڑکانے سے جو کہ آگ میں سے پیدا ہوا ہے۔ بھڑک کر ھل من

مزید کی آگ اسی دنیا میں انسان کے دل میں لگا دیتی ہے۔ یوں ایسا انسان نہ صرف اس دنیا میں باطن میں دوزخی زندگی میں پڑ جاتا ہے بلکہ مرنے کے بعد وہ باطنی آگ جو اس کے نفس میں تھی اگلی دنیا میں نفس کے عالم ظاہر میں آجانے کی وجہ سے ظاہر ہو کر بھڑک کہ آخرت کر کا جہنم بن جاتی ہے۔ قرآن حکیم باطنی امور کو واضح کر کے کیسی اچھی طرح بتاتا ہے جو کہ ہدایت اور ''نور'' کا کام ہے جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں۔

# چند نا قابلِ فراموش یادیں

## حضرت مولانا صدرالدین مرحوم کی خود نوشت

میں نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا وہ دینی تھا۔ گھر میں قرآن شریف کی تعلیم کا التزام تھا۔ چنانچہ میں بڑا ہوا تو مجھے بھی قرآن کریم کی تعلیم دی جانے لگی۔ میں مڈل تک بلا ترجمہ قرآن ذوق و شوق سے پڑھتا رہا۔ جن دنوں تھرڈ مڈل میں تھا حضرت مولانا عبدالکریم کے درس قرآن کا شہر بھر میں شہرہ تھا۔ آپ مسجد حسام الدین میں درس دیتے تھے۔ میں تین چار سال تک حضرت مولاناؒ کے درس میں باقاعدہ شریک ہوتا رہا۔ آپ درس کے دوران حضرت مرزا صاحب کے متعلق بھی فرماتے تھے۔ آپ کا طرز بیان مسحور کن تھا۔ چنانچہ مجھے حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا انہی ایام میں کامل یقین ہو گیا۔ اس تمام عرصے میں والدین نے اشارے کنائے میں بھی درس میں شرکت سے نہ روکا اور نہ ہی حضرت کی صداقت کا اقرار کرنے سے منع کیا۔ محلّہ میں ہماری خاندانی پوزیشن ایسی نہ تھی کہ کوئی شخص مجھ پر کوئی اعتراض کر سکتا۔ مولانا موصوف اکثر حضرت صاحب اور حضرت مولانا نورالدینؒ کا ذکر کرتے رہتے اور اس طرح ہر دو کی عظمت کا نقش میرے دل میں قائم ہو گیا۔

بی۔اے کرنے کے بعد میں نے ٹریننگ کالج میں ایس اے وی کلاس میں داخلہ لیا۔ ان دنوں بی ٹی کلاس ابھی جاری نہیں ہوئی تھی۔ مسٹر بیل ڈائریکٹر تھے۔ وہ بڑے فیاض اور بلند اخلاق، بارعب اور عظیم انسان تھے۔ انہوں نے پہلی بار ہمارے لئے بی۔ٹی کلاس کھول دی اور بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی اور گورنر صاحب سے اجازت حاصل کر لی۔ تکمیل کے بعد کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر رہا اور کچھ عرصہ ٹریننگ کالج میں انگلش کا پروفیسر رہا۔ حضرت صاحب کے وصال کے بعد حضرت مولانا نورالدینؒ نے وفد بھیجا کہ میں ملازمت چھوڑ کر قادیان خدمت عالی میں حاضر ہو جاؤں۔ وفد میں حضرت مولوی محمد علی صاحب، حضرت خواجہ کمال الدین صاحب، حضرت ڈاکٹر محمد حسین صاحب، حضرت ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب اور حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب شامل تھے۔ میں ان کے کہنے پر قادیان جانے کے لئے راضی ہو گیا۔ پھر وفد نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ مجھے قادیان چلے جانے کی اجازت دی چنانچہ میں قادیان چلا آیا اور تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی ہیڈ ماسٹری کا فریضہ مجھے سونپا گیا۔ انہی ایام میں مولانا محمد علیؒ تفسیر قرآن میں منہمک تھے چنانچہ انجمن کی اجازت سے وہ سیکرٹری کے عہدے سے الگ ہو گئے اور یہ ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی گئی۔ قادیان میں میرا قیام ۵ سال تک رہا۔

۔۔۔حضرت مولانا نورالدینؒ نے ایک مرتبہ قادیان میں جس میں مَیں بھی حاضر تھا خطبہ کے دوران فرمایا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نورالدین خطبوں میں مرزا کا نام نہیں لیتا اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے ''جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے سامنے جب اکیلے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل سکڑ جاتے ہیں''۔ ''اور جب خدا کے سوا ان کے حضرتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں''۔ اس میں آپ نے توحید کامل کا ذکر کیا اور فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس عرصہ میں کبھی مرزا کی قبر پر نہیں گیا۔ اس طرح آپ نے توحید کامل کی زوردار طریق سے تلقین فرمائی۔

میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ جانفزا منظر ہے۔ یہی جامع احمدیہ لاہور کا مقام تھا حضرت صاحب اور دیگر اکابر یہاں قیام پذیر تھے۔ جمعتہ المبارک کا دن تھا۔ حضرت صاحب نمازیوں کے درمیان فرد کش تھے۔ حضرت مولانا نورالدینؒ خطبہ دے رہے تھے۔ فرمایا کہ مجھ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ نورالدینؒ خطبے میں مرزا کا نام نہیں لیتا۔ اس موقعہ پر آپ نے قرآن کریم کی مذکورہ آیت کا ذکر کیا۔ حضرت سامنے بیٹھے سن رہے تھے۔ آپ کے بشرے سے سکون، اطمینان اور مسرت کا اظہار ہوتا تھا۔ سب نے محسوس کیا کہ پیر اور مرید دونوں کا اس بارے میں ایک ہی مذہب ہے۔ (پیغام صلح دسمبر ۱۹۸۹ء)

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔۵۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

# غلامی

عامر عزیز الازہری

ایک ریسٹورنٹ میں ایک خاندان کو کھانا کھاتے دیکھ کر اپنے انسان ہونے پر شرمندگی اور ندامت کے جذبات دل میں موجزن تھے۔ اس خاندان کے ساتھ ایک ملازمہ تھی جس کے لئے ایک لقمہ بھی حرام تھا۔ اس منحوس لمحے کو ان الفاظ میں بیان کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔

نظر میری تو بھر گئی
فقط رزق تکتے تکتے
مگر اے خالق!
تیری نعمتوں کے حقدار
اسیرِ شکم
بے نور چشم
تہی دامن
بھوکے ہی رہے کہ
ایک وقت کی روٹی جو
جوان کے کتے کی محبت
کا تو ایندھن بن جائے گی
مجھ بشر پر حرام ہوئی
انسانیت بے نیل و مرام ہوئی
اے مالک!
گر رزق دیا تھا انہیں
دیا ظرف بھی تو ہوتا
کہ سامنے بیٹھا انسان
نظر میں ان کی
سگِ در سے
بھی بدتر
فقط اس واسطے کہ
پیدا ہوئی اس گھر میں
جہاں انسان و حیوان کو
میسر صرف ایک سائباں
یقیناً اس مقدر نے چھینا ہے
مجھ سے شرف انسانیت کا

# جلسہ سالانہ کے تین دن

## حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

میری اپنے احباب سے یہ التجا ہے کہ جلسہ کے تین ایام کو چلہ کشی کے رنگ میں عبادت الہٰی کے لئے مخصوص کر دیں۔ ہماری تقریروں میں صرف اعلاء کلمتہ اللہ مدنظر ہو اور جماعت کو اس مجاہدہ کے لئے تیار کرنا جس پر ہمیں ہمارے امام نے لگایا ہے اور ہمارا اکثر وقت ان ایام میں تسبیح اور استغفار میں صرف ہو۔ دنیا کا کوئی کام ہو بھی تو اسے تین دن کے لئے چھوڑ دیں۔ ہماری نمازوں میں باقاعدگی بھی ہو یعنی پانچوں نمازوں کو باجماعت ادا کرنا اور خضوع وخشوع بھی ہو۔ ہم ایک جماعت کے رنگ میں خدا کے دروازے پر ایک سائل بن کر آئیں اور اس کی نصرتوں کے طالب ہوں۔ ہمارے دلوں سے یہ آہ اُٹھے کہ اے خدا! تو اس چھوٹی سی جماعت کو صراط مستقیم پر قائم رکھ اور اپنے انعامات کی بارش ہم پر برسا۔ پانچوں نمازوں کے علاوہ ان ایام میں جلسہ میں شامل ہونے والے تمام احباب مرد ہوں یا عورتیں تہجد کی نماز بھی ادا کریں۔ جو لوگ ان ایام میں اپنے گھروں میں رہتے ہیں وہ گھروں میں صبح چار ساڑھے چار بجے اُٹھیں۔ اور جو جلسہ گاہ یا مسجد کے قریب قریب ٹھہرے ہوئے ہوں وہ مسجد میں پہنچ کر اپنی آہیں بلند کریں۔ ایک مخلص دوست نے اس طرف بالخصوص توجہ دلائی ہے۔ ان کے خط کے الفاظ نقل کرتا ہوں:

''سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ہر ایک آدمی کے لئے یہ لازمی قرار دیا جائے کہ وہ ان تین ایام میں نماز تہجد کا پابند ہو اور چار بجے وضو کر کے مسجد میں پہنچ جائے اور بارگاہ ایزدی میں رو رو کر ترقی اسلام کے لئے دعا کرے۔ اگر ایسا ہو جائے اور ہم چند صد نا ہنجار اور گہنگاروں کی صدا بارگاہ رب العزت میں پہنچ جائے تو میرے خیالِ ناقص میں جلسہ کی غرض و غایت پوری ہو جائے''۔

سب احباب ان الفاظ پر عامل ہونے کی کوشش کریں۔

والسلام

خاکسار

محمد علی

(پیغام صلح 20 دسمبر 1950ء)